ریل گاڑی

(ڈراما)

ہندوستانی کتابوں کا سلسلہ

ریل گاڑی

(ڈراما)

مصنف
چندر وردن چمن لال مہتہ

مترجم
سیّد آل رسول

نیشنل بُک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دلّی

(1899) 1978

قیمت : 7/75

Original Title: AAG GADI (Gujarati)
Urdu Translation: RAIL GADI

تقسیم کار :
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر نئی دہلی 110025 ، اردو بازار دہلی 110006
پرنسس بلڈنگ بمبئی 400003 ، یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ 202001

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا A/5 گرین پارک نئی دہلی 110016 نے لبرٹی آرٹ پریس
(پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی 110006 سے چھپوا کر شایع کیا۔

پس منظر

عظیم شاعر ماگھر، کلا یعنی فن کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے:
"فن وہی بہترین اور دلکش ہوتا ہے جس میں تنوع ہو، جو ہر پل ہر لمحہ نت نئے روپ میں ہمارے سامنے آئے"۔

کلا کے دل میں چھپی ہوئی خوبصورتی اور دلکشی جب نئی آرائش و زیبائش اور نرالی سج دھج کے ساتھ منظر عام پر آتی ہے تو دل چاہتا ہے بار بار دیکھیے، بس دیکھتے رہیے۔ سچا فن، سچی کلا وہی ہے جو ہر آنکھ، ہر کان کو اپنی انوکھی چھب سے دیوانہ بنا دے۔ مبہوت کر دے۔ چاہے یہ فن تصویر کے روپ میں ہو، شاعری ہو، موسیقی ہو یا سنگ تراشی ہو۔ سچا فن کار اپنے اندر چھپی ہوئی لاہوتی قوت سے رابطہ قائم کر کے سب سے پہلے من ہی من فن کا جائزہ لیتا ہے، دل کے آئینہ خانے میں احساسات و جذبات کی رنگین محفل سجاتا ہے، تب کہیں جا کر اپنے فن کو بطور فن دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ڈرامے کا فن بھی اسی لاہوتی قوت کی دین ہے۔

ارباب علم و دانش کا قول ہے کہ شعر جب الفاظ کا جامہ اتار کر تمثیل کا چولا پہن لے تو اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، کوئی بھی اچھا شعر سننے میں بہت لطف آتا ہے مگر اس شعر کے الفاظ ہمارے ذہن کے پردے پر جو منظر بناتے ہیں اس کا سرور ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ شعر کے الفاظ کی مستی عارضی ہوتی ہے لیکن اس کے تصور و منظر کا نشہ دیرپا ہوتا ہے۔

ایک سو بائیس برس پر محیط گجراتی تھیئٹر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- پیشہ ورانہ (Professional) تھیئٹر۔

۲- جدید (Modern) تھیئٹر۔

پیشہ ورانہ تھیئٹر یا تجارتی ڈراموں کے آغاز سے قبل، جس طرح بنگال میں 'جاترا'، شمالی ہند میں "نوٹنکی"، "سوانگ" یا "بھانڈ" راجستھان میں "جھومر"، بہار میں "بدیسیا" مہاراشٹر میں "لاؤنی" اور "تماشا" کا رواج تھا، اُسی طرح گجرات میں "بھوائی" اور "رام لیلا" اسٹیج کیے جاتے تھے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں ڈرامے کی تعریف میں نہیں آتیں۔ اس سے بھی پہلے بھرت ناٹیہ شاستر جیسے سنسکرت ڈرامے لکھے اور اسٹیج بھی کیے گئے تھے۔ یورپ میں شکسپیئر کے ڈراموں نے بھی غیر ملکی تھیئٹر کو ایک مستقل روپ عطا کیا تھا۔ کلکتہ میں انگریزوں کی بود و باش کے نتیجے میں انگلینڈ سے ڈرامہ کمپنیاں وہاں آنے جانے لگیں۔ ان کمپنیوں سے متاثر ہو کر سب سے پہلے پارسیوں نے 1852ء میں بمبئی میں گجراتی تھیئٹر کی بنیاد ڈالی جسے دادا بھائی نوروجی اور ڈاکٹر بھائی داجی جیسی عظیم شخصیتوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ جگن ناتھ شنکر سیٹھ نے ایک تھیئٹر تعمیر کرایا۔ ڈراموں کے بڑھتے ہوئے رواج کی بدولت دوسری کمپنیاں بھی قائم ہوئیں۔

پارسیوں نے محض تفریح کے نقطۂ نظر سے تھیئٹر کی ابتدا کی تھی۔ اس میں شستہ اور خالص گجراتی زبان اور ادبی اقدار کا فقدان تھا۔ تھیئٹر کی شروعات نے بھوائی پر ناخوشگوار اثر ڈالا۔ شری رنچھوڑ بھائی اُدے رام کو اس سے کافی دکھ پہنچا۔ اپنی یادداشت میں وہ لکھتے ہیں:

"اس تبدیلی پر میرے جذبات اس طرح بھڑک اٹھے گویا میں بھرت منی کا پیرو ہوں۔"

1878ء میں گجراتی ناٹک منڈلی کا قیام عمل میں آیا اور رنچھوڑ بھائی کے "ہریشچندر" اور "نل دمینتی"، ڈرامے اسٹیج ہوئے۔ اس سے قبل نرمد دلپت کے ڈراموں کے چھوٹے موٹے تجربے بھی کیے گئے تھے۔

نایک، بھوجک اور میر قوم کے بچّے اور نوجوان اس میدان میں اُتر آئے۔ ان میں اداکاری کی پیدائشی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں اور قدرت نے انھیں سُریلا گلا بھی بخشتا ہے۔ اِن کلاکاروں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ لوگ صرف اسٹیج

کے لیے ہی پیدا ہوئے ہوں۔

پیشہ ورانہ تھیئٹر کے ڈراموں میں ایک مخصوص قسم کا اسلوب اپنایا گیا۔ پیچ در پیچ کہانی، برجستہ اور چٹ پٹے مکالمے، کہانی کے ایک حصے کے طور پر ظرافت اور مزاح کی شمولیت، چھپّے (چھ مصرعوں پر مشتمل ایک نظم جس میں ردیف و قافیہ کی پابندی رہتی ہے)، گیت سنگیت، بھڑکدار پوشاک، اداکاروں کے "فوکس لائٹ" اور "ٹریپ" میں غائب ہونے والے منظر ــــــ غرضیکہ کمپنی مالکوں نے تماش بینوں کو تفریح کا ہر سامان مہیّا کیا۔ ڈرامہ کمپنیوں کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ اِس کا اثر اس قدر زبردست رہا کہ آج بھی سماج کا ایک بڑا طبقہ اسی قسم کے ڈرامے دیکھنا پسند کرتا ہے۔

برسوں تک یہ پیشہ ورانہ تھیئٹر ایک ہی ڈھرّے پر چلتا رہا۔ اس وقت کے تعلیم یافتہ طبقے کو یہ احساس تھا کہ اس تھیئٹر میں کسی چیز کی کمی پائی جاتی ہے۔ اصلاحی رجحان رکھنے والے نرسنہہ وبھاکر (1888 – 1925ء) نے اس سمت توجہ دی۔ اس زمانے میں غیر ملکوں میں اِبسن کے حقیقت پسندانہ موضوع رکھنے والے ڈرامے فروغ پا رہے تھے۔ وبھاکر نے غیر ملکوں میں رہ کر انگریزی تھیئٹر کے ہر پہلو کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا اور اِس طرح انھیں جو کچھ تجربہ حاصل ہوا اُس کی بنا پر انھوں نے اپنے ڈراموں میں سماج کے پیچیدہ مسائل اور جذبۂ حب الوطنی سے متعلق موضوعات شامل کیے۔ مگر ڈرامے کے شوقینوں نے اِس نئے رجحان اور اسلوب کو قبول نہیں کیا۔

برسوں بعد وبھاکر کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کرنے کی ذمّہ داری مشہور و معروف ادیب، شاعر، اداکار اور ڈرامہ نویس چندر وَدن مہتہ نے سنبھال لی۔ اُن کا طرزِ تحریر پیشہ ورانہ تھیئٹر سے بالکل مختلف تھا۔ اُن کی اداکاری، ہدایت کاری اور اسٹیج سے متعلق دوسری صلاحیتوں نے گجراتی تھیئٹر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ایک ایسا تھیئٹر وجود میں آیا جس کے موضوعات اور کردار انسانوی نہیں تھے بلکہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھرپور اسی دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ بذاتِ خود اچھے اداکار ہونے کے سبب انھوں نے ایسے ڈرامے لکھنے شروع کیے جن میں اداکاری کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے بہترین مواقع تھے۔ ڈرامے کے میدان میں ان کی پہلی تخلیق تھی "ریل گاڑی" 1930ء میں لکھا اور اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامے کا پہلا ایڈیشن

1939ء میں منظر عام پر آیا۔ آج جدید تھیئٹر کو پوشاک (Costume) اور روشنی Light Arrangement کے ضمن میں جو بے مثال شہرت اور کامیابی ملی ہے اس کے خیال آفریں خط و خال تقریباً چھیالیس برس پہلے تصنیف کیے گئے اس ڈرامے میں جھلکتے ہیں۔ یہ ڈرامہ المیہ (ٹریجڈی) ہے۔ اس میں بادھر نامی ایک فائرمین کی زندگی کا احوال ہے۔ ڈرامے کے آغاز میں مصنّف نے پیش لفظ کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

"مہینوں پندرہ بیس رننگ شیڈوں کی خاک چھانی ہے۔ چلچلاتی دوپہر اور کڑکڑاتی سردیوں میں سوڈیڑھ سو میل تک انجن میں بیٹھ کر سفر کیا ہے۔۔۔۔۔۔ ڈرائیور خانے دیکھے ہیں، اس میں سویا تک ہوں۔۔۔۔۔ کیبن میں سگنل اٹھائے اور گرائے ہیں" وغیرہ۔

محنت کشوں کی دنیا میں زندگی گزارنے کے بعد انھوں نے فائرمین پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم اور ان کی پُرخطر زندگی کی عکاسی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی یہ تصنیف زندگی سے بہت قریب لگتی ہے۔ گورے آقا "کالے آدمی" کو کس طرح نوازتے ہیں، اس کی کتنی قدر کرتے ہیں، اِس کی ہو بہو تصویر اس ڈرامے میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ پھر ڈرامے کی کہانی ایک نیا موڑ لیتی ہے۔ وہی گورا آقا بادھر کا بھائی نکلتا ہے جو زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے اُس کا جانی دشمن بن گیا اور جس نے اسے آگ میں دھکیل دیا۔ بادھر کا کام بھی کیسا؟ ڈرامے کے ایک کردار رام چرن کے لفظوں میں فائرمین کی یوں تصویر کشی کی گئی ہے:

"آگ والے کے پسینے سے تو سارے انجن کی آگ بجھ جائے۔"

دوسرا کردار غلام محمد یوں کہتا ہے:

"یہ جو ہماری ہڈیوں کی لکڑیاں جلتی ہیں اس کے دھوئیں سے اور جو خون جلتا ہے اس کی بھاپ سے یہ ریل گاڑی چلتی ہے۔۔۔۔۔۔"

اور اُس کا انجام کیسا؟ بادھر کی گھر والی رُکھی کہتی ہے:

"اِس آگ گاڑی نے تو آج میرا گھر ہی پھونک ڈالا۔"

اِس طرح کے بہت سے کردار اپنی اپنی زبان سے ریلوے کی نوکری کی دشواریوں، مسافروں کی دردسری اور حکام کے بے جا غرور و تکبّر کی منظر کشی کرتے ہیں۔ اِس ڈرامے

میں سورتی، چروتری، گنوار، احمد آبادی کے علاوہ پارسی، بوہری اور مسلمان بھی ہیں۔
اس کے علاوہ رام چرن کے گیت بھی ہیں:
"تو نے عجب بنایا ریل، راما!"

دوسرا گیت:۔
"کال گھنٹہ بجاوے، مہا کال گھنٹہ بجاوے،
سادھو ہو کہ سیّاں سب،
کوئی جاوے کوئی آوے
کوئی سمیٹت بستر تو بھر
کوئی روے کوئی گاوے۔"

اور:
"ریل گاڑی آنگن آئی۔"
ڈرامے میں جا بجا گیتوں کی شمولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنف ڈرامہ نویس ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہے۔

سین شروع ہونے سے پہلے اسٹیج کی کیفیت اور کرداروں کے لباس وغیرہ کی تفصیل دے کر مصنف نے ڈرامہ اسٹیج کرنے والوں کے لیے کافی آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔ ڈرامے کی تیاری کے کام میں آرٹ ڈائرکٹر علیحدہ ہوتا ہے۔ مگر ڈرامہ نویس کے ذہن میں اس ڈرامے کا جو خاکہ موجود ہوتا ہے اُس کا خیال رکھنا بھی آرٹ ڈائرکٹر کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اس زمانے کے پیشہ ورانہ تھیئٹروں میں عورت کا پارٹ مرد ادا کیا کرتے تھے۔ چندروَدن مہتہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اپیل کی کہ "نسوانی رول عورتوں کے ذریعے ہی کرائے جائیں۔"

تھیئٹر کی جدید کاری سے اتفاق رکھنے والے ادیبوں نے اداکاری کی بلندیوں کو چھونے والی تخلیق "ریل گاڑی" کے لیے 1973ء میں مصنف کو "نرمد طلائی تمغہ" عطا کیا۔

اِس کے بعد انھوں نے "ناگ بابا" لکھا، یہ ڈرامہ بھکاریوں اور گداگروں کے

متعلق ہے، جو ریلوے کی دنیا میں بسنے والوں سے زیادہ مظلوم اور پچھڑی ہوئی جماعت ہے۔ اس کے بعد "موگی استری" (گونگی عورت) لکھا گیا۔ عام جنتا اِس طرح کے ڈراموں کی عادی نہیں تھی۔ مگر چندر وِدن مہتہ کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن زندگی کی تلخ حقیقتوں کو آشکار کرنے والے ڈراموں کو لوگ ضرور اپنا لیں گے۔ اسی لیے انھوں نے خود اپنے دوستوں کے تعاون سے اپنے لکھے ہوئے ڈرامے اسٹیج کرنے شروع کر دیے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میدان میں انھوں نے کیا کیا مصیبتیں اٹھائی ہوں گی! یہ وہ وقت تھا جب سینما کی مقبولیت کی وجہ سے تھیئٹروں میں تبدیلی آ رہی تھی۔ ایسے میں ڈرامے کے دیوتا کے پجاری کو اپنے ڈرامے اسٹیج کرنے کے لیے تھیئٹر تک میسّر نہیں ہوتا تھا۔ کالجوں کے ہال میں ڈرامے ہوا کرتے تھے۔ شری جیوتی چندر دوے کے الفاظ میں "تماش بینوں سے زیادہ تعداد تو ہم ڈرامہ کرنے والوں کی ہوا کرتی تھی۔" اتنا ہونے پر بھی چندر وِدن مہتہ نا امید نہ ہوئے۔ ان کا قلم چلتا ہی رہا۔ وہ ڈرامے لکھتے اور اسٹیج کرتے رہے۔ شیکسپیئر، مولیئر اور شا نے بھی تھیئٹر کی ترقی کے لیے ڈرامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ اسے اسٹیج کرنے کے کام میں کافی دلچسپی لی تھی۔ چندر وِدن مہتہ کو بھی یہ فخر حاصل ہے۔ گجراتی اسٹیج کے ارتقا کی خاطر ایک شہرت یافتہ ڈرامہ نویس اور کلاکار کس قدر دردِ سر مول لیتا ہے، اس کی بڑی دلچسپ تاریخ ہے۔ مگر اس کے باوجود اُس کا قلم نہیں تھکتا۔ "زمدا" "اکھو" "پانجرا پوڑ" "دے ٹکے کی پانچ سیر" "دھارا سبھا" "آرا دھنا" "وَرو ہو" "آرٹل دے" "دھرا گورجری" "سیتا" "شکھر یِنی" "شیتل نے کانٹھے" "سونا داٹکی" "ماجھرات" "میناپوپٹ" "ہو ہو لیکا" (بھوائی کے طرز پر ایک نیا تجربہ)، "مُدرا" Media کی ڈرامائی شکل) اور دوسرے بہت سے چھوٹے بڑے ڈرامے انھوں نے لکھے ہیں۔ اِن ڈراموں میں انسانی نفسیات، ازدواجی مسائل، عشق و محبّت، سیاسی میدان کے داؤ پیچ جیسے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔

ان تمام ڈراموں کے اسٹیج کرتے وقت کے تجربات، فنِ تمثیل کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ، یہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں میں ڈرامے سے متعلق مختلف نظریات و رجحانات کا جائزہ —— ان سب کا نچوڑ چندر وِدن مہتہ کی لکھی ہوئی "گٹھریاں" سیریز کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ

انھوں نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے فنِ تمثیل نگاری کی شمع جلائے رکھی ہے۔ آج ستّر برس کی عمر میں بھی فنِ تمثیل کا یہ عظیم علمبردار نئے جوش اور نئے ولولے کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

بچّوں کے ڈراموں میں بھی انھوں نے اتنی ہی دلچسپی دکھائی ہے۔ انھوں نے ننھے منّوں کے لیے "آنکھ مچولی" اور "کھلونوں کی دوکان" ڈرامے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ ٹیگور کے ڈرامے "ڈاک گھر" کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اِس بات کی اطّلاع انھوں نے 1967ء میں بمبئی میں منعقدہ چلڈرنز لٹل تھیئٹر کونسل کے صدر کی حیثیت سے دی تھی۔

جدید تھیئٹر کے آغاز میں ڈاکٹر کنہیالال منشی کا بھی زبردست ہاتھ رہا ہے۔ انھوں نے بھی بامقصد اور حقیقت پسندانہ ڈرامے لکھے جن میں "کاکا کی ششی" "برہمچریہ آشرم" "ڈاکٹر مدھوریکا" "دھروسوامنی دیوی" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اِن ڈراموں میں زبان و ادب کی چاشنی بھی ہے اور اداکاری نیز کردار نگاری کے اوصاف بھی۔ گوی شری نانالال نے بھی "جیا جینت" "اندو کمار" وغیرہ ڈرامے تصنیف کیے۔ تاہم چندر ودن مہتہ کا قلم اپنے معاصرین کے مقابلے میں بالکل نیا اور اچھوتا انداز رکھتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے دوسروں کی طرح افسانوی کردار نہیں اپنائے بلکہ اپنے کرداروں کا انتخاب انھوں نے اپنے اِردگرد پھیلے ہوئے سماج ہی میں سے کیا، اسی لیے تو ان کے ڈرامے حقیقت سے بہت قریب ہیں۔

پیشہ ورانہ تھیئٹر اور جدید تھیئٹر دو الگ الگ دھارے ہیں جو ایک ساتھ بہتے ہیں۔ سنیما کی آمد کے بعد پیشہ ورانہ تھیئٹر کی منڈلیاں ایک کے بعد ایک ختم ہوتی گئیں۔ روایتی اسٹیج سے تعلق رکھنے والی بڑی کمپنیوں میں اس وقت صرف ایک شری دیشی ناٹک سماج باقی رہ گئی ہے۔ وہ بھی اس لیے کہ آج بھی اس کے چاہنے والے موجود ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ روایتی اسٹیج کب تک برقرار رہ سکے گا؟ جو لوگ پرانے زمانے سے اس تھیئٹر کی روح رواں رہے ہیں انھوں نے آج اپنے بچّوں کو دوسرے کاروبار میں لگا دیا ہے۔ البتہ غیر ملکوں میں روایتی تھیئٹر اب بھی کافی مقبول ہے۔ شکسپیئر کے بعض ڈرامے اگرچہ حقیقت سے دور ہیں، ان کی زبان، ان کا اسلوب اور مکالموں کا تلفظ ایک مخصوص طرز کا ہے، پھر بھی یہ ڈرامے برسوں سے دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

اس طرح کی دوسری مثال جاپان کے "کابکی" طرز کے ڈراموں کی ہے۔
ان میں مکالموں کی ادائیگی کا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے۔ مکالموں کا یہ ڈھنگ اگرچہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے لیکن سننے والے کو اس میں لطف بھی آتا ہے۔ جاپان میں ایک دوسری قسم NOH (نوہ) ڈراموں کی بھی ہے۔ مصنوعی چہرے پہن کر بھی ڈرامے اسٹیج ہوتے ہیں۔

دوسری طرف جدید تھیئٹر نے اپنی ابتداہی سے تیزی سے ترقی کرنا شروع کردی۔ ڈرامے کی ترتیب کے ضمن میں نئے نئے تجربے کیے گئے۔ سرکنے اور گھومنے والے اسٹیج ایجاد ہوئے۔ اس کے بعد "جیک مائک تکنیک" اپنائی گئی۔ جس طرح فلموں میں لانگ شاٹ میں کیمرہ مڈ کلوزاپ میں آتا ہے اُسی طرح اس تکنیک کے تحت پیچھے کا اسٹیج آگے سرکتا ہے۔ پھر "بائیسکوپ" میں ڈرامے کے ساتھ ساتھ فلم کے مناظر بھی دکھائے جانے لگے۔ علامتی اور "اِن لیڈ" سیٹ بھی وضع کیے گئے۔

Light Arrangement کے ضمن میں برسوں پہلے صرف فانوس اور جھومر بتّی کا ہی استعمال ہوتا تھا مگر جدید تھیئٹر میں فلڈ لائٹ، اسپاٹ لائٹ اور ڈمرس کا اہتمام کیا گیا۔ آج تھروب لائٹ کا بھی آزادانہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے کرداروں کی حرکات وسکنات بہت واضح دکھائی جاسکتی ہیں۔

ڈرامہ نویس اب ڈرامے کی تصنیف ہی میں نہیں بلکہ اسے بہتر طور پر اسٹیج کرنے کے کام میں بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔

گجراتی تھیئٹر میں ایک نئی لہر آئی ہے اور وہ ہے بچوں کے تھیئٹر کی۔ ایک بابی ڈراموں کے علاوہ اب دو ڈھائی گھنٹے تک چلنے والے طویل ڈرامے بھی اسٹیج کیے جاتے ہیں جن میں ایک ایک باب بیس تیس منظروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اسٹیج کی تکنیکوں میں جتنی ترقی ہوئی ہے اُس کے لحاظ سے ڈرامہ لکھنے کا کام اب بھی بڑی حد تک پچھڑا ہوا ہے۔ ذاتی زندگی کے مسائل بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پیش کیے جاتے ہیں۔ انسان کی حقیقی زندگی کی عکاسی تو "تھیئٹر آف دی ایبسرڈ" بھی کرتا ہے۔ یہ تھیئٹر انسان کو مایا موہ کی دنیا سے باہر لاکر اُسے حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ یہاں ایک مسکراہٹ کے پیچھے ہزار آنسو چھپے ہوتے ہیں۔ گجراتی اسٹیج پر سیموئل بیکیٹ کے ڈرامے

"ویٹنگ فار گوڈوٹ" اور ایبسرڈ طرز کے دوسرے ڈرامے بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔
مقصدیت اور فن سے بھرپور ایسے بہت سے ڈرامے اسٹیج کیے جاتے ہیں مگر ان میں بہت تھوڑے ڈرامے ہی ایسے ہوتے ہیں جو تماشائیوں کے لیے حقیقی تفریح کا سامان بن سکیں۔ گجراتی اسٹیج پر اوریجنل تخالیق کے بدلے دوسری زبانوں سے ترجمہ کیے ہوئے ڈراموں کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے ڈرامے کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اِن ڈراموں میں ایک طرح کی اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے کردار، اُن کا ماحول سبھی پرایا لگتا ہے۔ ان کے بدلے اپنی ہی دھرتی اور اپنے ہی آدمیوں کی کہانی اچھی لگتی ہے جس میں محبّت، سرور و انبساط، ولولہ اور جوش، ایک آنکھ میں آنسو تو دوسری آنکھ میں خوشی کی مسکراہٹ ہوتی ہے۔ جس کے کرداروں میں ہم خود اپنا ہی عکس دیکھتے ہیں، اپنی ہی کہانی پڑھتے اور سنتے ہیں!
چندرودن مہتہ کی یہ تخلیق ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو رہی ہے اس مبارک موقع پر اُن کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہوئے ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

——— پراگ جی ڈوسا

پیش لفظ

میری خواہش اور التجا ہے کہ آپ ذیل کی سطور کا ضرور مطالعہ کریں۔ اس ڈرامے کی تصنیف کے پیچھے دراصل جو مقصد ہے وہ اِس کے موضوع اور ماخذ سے کئی گنا بڑا ہے۔ اِن سطور کے توسط سے میں اسی عظیم مقصد کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ فطرت پرستی Naturalism، اظہاریت Expressionism، وجودیت realism، مبالغہ پسندی accentricism، ہجو ملیح ironic comic، عاشقانہ erotic یا اخلاقی moralistic رجحانات سے بھرپور رومانیت یا جذباتیت کے مختلف پہلوؤں کی تعریف اور وضاحت کی قابلیت، میں اپنے اندر نہیں پاتا۔ ایم۔اے۔، بی۔اے سطح کی کسی بھی انگریزی درسی کتاب کی فرہنگ میں اِن تمام علمی اصطلاحات کا تذکرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ ایک مبتدی کی حیثیت سے یہ کہنے کی جسارت ضرور کر سکتا ہوں کہ یہ اصطلاحیں انگریزی ادیبوں کے اسلوب نگارش بالخصوص انگریزی ڈرامے کی اختراع ہیں۔ میں نے اپنی اس تخلیق میں اِن عالمانہ اصطلاحوں کے تئیں محض اشاریت سے کام لیا ہے۔

مجھے احساس ہے کہ موضوع اور ماخذ کے اعتبار سے اس ڈرامے کی تخلیق میں میرا قلم مشاہدات کا پوری طرح ساتھ نہیں دے پایا ہے۔ حقیقت کا اظہار ادھورا ہوا ہے۔ زبان میں اثر آفرینی نہیں ہے۔ کرداروں میں جھول ہے۔ ریلوے کے شعبے میں روزانہ جو واقعات پیش آتے ہیں اُن کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ہمیں محسوس ہوگا کہ انجن کھینچنے والے فائرمینوں کی حالت مل مزدوروں سے کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی ساحلوں سے سو پچاس میل اِس طرف اور شمال میں آڑی ترچھی دوڑنے

والی ریل گاڑیوں کا تصور کیجیے اور رات دن سنسناتے ہوئے انجن پر فائر بکس میں کوئلہ جھونکنے والے فائرمینوں کی حالت کا اندازہ لگائیے۔ احمد آباد سے دلّی، دلّی سے رتلام، رتلام سے گودھرا، بمبئی سے کھڑگ پور، پونا سے مدراس، کلکتہ سے بمبئی، اور دوپہر کے بارہ بجے سے سویرے پانچ بجے تک اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتا ہوا فائرمین! راجپوتانے کی بھیانک آندھیاں، جو گاڑیوں کو روک روک دیتی ہوں، ریگستانی علاقوں میں درجۂ حرارت سو سے اوپر ہو، گرم ہواؤں کے جھکّڑ جہنّم کا نمونہ پیش کر رہے ہوں، ایسے میں کون مائی کالال فائر بکس کھول کر اس میں کوئلہ جھونکتا ہوگا؟ برسات کا موسم ہے۔ آسمان ٹوٹ کر برس رہا ہے۔ جاڑے کے دن ہیں تیز و تند ہوائیں چل رہی ہیں۔ سردی خون جمائے دیتی ہے، آدھی رات کا وقت ہے۔ گاڑی پوری رفتار سے دوڑ رہی ہے۔ انجن چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے۔ تیز ہوا کا جھونکا بدن سے ٹکراتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے برف کی سوئیوں کی بارش ہو رہی ہو۔ ایسے میں سگنل کی لال ہری بتّی کا خیال رکھنا اور دوسری باتوں کا دھیان رکھنا فائرمین کا ہی دل گردہ ہے۔ چائے گرم رکھنے کے لیے فائر بکس کے ڈھکنے کے قریب کیتلی لٹکی ہوئی ہے، میلی کچیلی پوٹلی میں دو روز کی روٹی بندھی ہوئی ہے، کوئلے کے ڈھیر کے قریب پڑا ہوا بستر دھول پھانک رہا ہے۔ یہ ہے ریلوے فائرمین کی دنیا۔ مان لیجیے، یہ فائرمین بڑودہ کے قریب گوروا گاؤں کا رہنے والا ہے۔ چونکہ بڑا کارخانہ احمد آباد میں ہے اس لیے نوکری پر وہاں سے لگا ہے پھیرے لگانے پڑتے ہیں اجمیر اور سابرمتی کے درمیان۔ اگر کارخانے کے مقادم یا فورمین کی جی حضوری نہیں کی یا ہر مہینے ان کا حق ادا نہیں کیا تو "تبادلہ ہوگیا" رتلام میں۔ اب کوٹہ اور رتلام کے درمیان مال گاڑی کھینچتے پھرو۔ بے چارے کے لیے اپنے وطن کا خیال ایک خواب ہوجاتا ہے۔ یہی نہیں، وہ سب کا ماتحت اور سب اُس کے افسر۔ سب سے قریبی افسر تو ڈرائیور ہی ہے۔ چونکہ فائرمین سے دس گنی زیادہ تنخواہ پاتا ہے اس لیے شراب کا شوقین ہوتا ہے جس دن ڈرائیور صاحب دو گھونٹ زیادہ مار کر انجن پر چڑھے اُس دن دیکھیے فائرمین کا حال!

ڈرائیور صاحب کی گالیاں سنے، مار کھائے۔ ہر دو چار منٹ بعد اگنی دیوتا کو بیلچہ بھر کوئلے کی بھینٹ نہ ملے تو گاڑی ٹھپ ہو جائے۔ گاڑی تیز دوڑ رہی ہے، فائرمین بیچارہ انجن کے باہری جنگلے پر چڑھا ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں تیل کی کپّی لیے انجن کے

کل پرزوں کو تیل پلا رہا ہے۔ اس کے بغیر گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ گاڑی اگر وقت کے مطابق یا برابر نہیں چلے تو ڈرائیور صاحب کی ساری جھلاّہٹ اور سارا غصّہ اور گالیاں بے چارے فائرمین پر۔ ڈرائیور صاحب کی اس جھنجھلاہٹ اور فائرمین کی مصیبت اور بے چارگی کی تصویر کشی کا حق اِس مختصر سے ڈرامے میں بھلا کیوں کر ادا ہو سکتا ہے؟ اور ریلوے کی شرابی دنیا کس طرح اِن گنتی کے چند اوراق میں سما سکتی ہے؟ بھری برسات میں انجن کی کوئلے کی ٹنکی میں ٹوکری بھر بھر کر کوئلہ ڈالنے اور اسی طرح کی دوسری چھوٹی چھوٹی باتوں کی تصویر اس چھوٹے سے کینوس پر کس طرح اتاری جا سکتی ہے؟

اور پھر اِس فائرمین کی تنخواہ! گویا اونٹ کے منہ میں زیرہ! طبقاتی کشمکش میں پڑنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ریلوے کی دنیا میں فائرمینوں اور ڈرائیوروں کے درمیان اے، بی اور سی کلاس کا امتیاز پایا جاتا ہے۔ گوری چمڑی والا سب سے اونچا، اعلیٰ ترین برہمن، اے کلاس۔ اس کی تنخواہ بھی سب سے زیادہ۔ بی کلاس میں آدھا انگریز، آدھا ہندوستانی۔ ذرا سے صاف رنگ کی چمڑی والا طبقہ، بڑی کرسی رکھنے والے افسروں کی خوشامد یا سو روپے کے ہرے نوٹ کے بل بوتے پر بی کلاس حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے بعد سی کلاس —— یعنی کالا طبقہ۔ اس کی تنخواہ بھی کم، حقوق بھی کم۔ اوپر سے ہر گھڑی اے کلاس کے گورے صاحبوں کے منہ سے "کالے آدمی۔ بلڈی سوائین"، کی گالیاں بھی سننی پڑیں۔ رنگ و نسل کا امتیاز کیا صرف ریلوے کے محکمے میں ہی ہے! ہر شعبہ اس لعنت سے بھرا پڑا ہے۔ جون 1933ء میں منعقدہ سینیٹ میٹنگ میں ایک رکن نے اپنی تقریر میں مضبوط دلیلوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ تعلیم یافتہ اور مہذب سمجھی جانے والی مشہور و معروف بمبئی یونیورسٹی بھی اس امتیازِ رنگ و نسل سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر دوسری جگہوں پر تو یہ تفریق محض زبانی ہوتی ہے، ایک ریلوے کا ہی محکمہ ایسا ہے جہاں اے، بی اور سی زمروں کا امتیاز تحریری شکل میں ملتا ہے۔ اس محکمے میں اور بھی مختلف قسم کے گریڈ ہیں۔ نچلے گریڈ والے آدمی سے زیادہ سے زیادہ کام لینا اور کم سے کم اُجرت دینا اس محکمے کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

رننگ شیڈ انجن کے کارخانے کو کہتے ہیں۔ پریل، بلساڑ، بڑودہ، احمد آباد، سابرمتی، اجمیر، باندی کوئی، گودھرا، داہود، رتلام، شام گڑھ، کوٹا، گنگا پور، متھرا، دلّی، آگرہ،

پونے، کلیان، بھساول، شولاپور، رائے پور، راجکوٹ وغیرہ مقامات پر واقع رننگ شیڈوں میں جس قسم کے رجحانات پرورش پا رہے ہیں اُن سے واقفیت حاصل کرنے کی میں عوام سے درخواست کرتا ہوں۔ تاج، سانچی یا اجنتا، جے پور، بھوپال یا اُدے پور، ڈاکور، دوارکا یا برندابن متھرا، بول پور، بنارس یا ہردوار وغیرہ مقامات کا دورہ کرنے والے سیّاحوں سے میری التجا ہے کہ وہ محنت کش ہندستانیوں کی حالت زار اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی جانکاری حاصل کرنے کے لیے مذکورہ بالا ریلوے کارخانوں کا ضرور دورہ کریں۔

ٹریفک کے شعبے میں اسٹیشن اور اسٹیشن ماسٹر، ٹکٹ کلکٹر، کیبن اٹنڈنٹ، گڈس کلرک، صفائی کرمچاری، چائے کے اسٹال والے اور لوکو کے شعبے میں کیریج اکزامنروں، شنٹروں وغیرہ کا برتاؤ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ کم تنخواہ پانے والے ٹکٹ کلکٹر کا غریب مسافروں کو لوٹنا، کام کے بوجھ تلے دبے ہوئے اسٹیشن ماسٹروں کی بے حسی، تساہلی اور دخل در معقولات تو قدم قدم پر نظر آئے گی۔ میں طلبہ سے ان سب باتوں کا بغور مطالعہ کرنے کی گزارش کرتا ہوں۔

بمبئی یونیورسٹی میں بی۔اے۔ کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند طلبہ میں سے جو طلبہ وکالت میں داخلہ لینے سے رہ جاتے ہیں وہ ایم۔اے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس میں ایک شعبے میں بنیا، برہمن، ناگر، کولی، چودھری وغیرہ ذاتوں پر نیز ان کی قدیم تاریخ پر پانچ پچیس انگریزی مصنفوں کے حوالوں سمیت مقالہ لکھنے پر ڈگری بھی دیدی جاتی ہے۔ اس مضمون نویسی کو سماجیات کا نام دیا جاتا ہے۔ فلاں ذات کیسی ہے؟ کہاں سے آئی؟ کدھر آئی؟ کیسی تھی؟ وطن کون سا ہے؟ دہاں کے باشندے کہاں گئے؟ کیا کیا؟ کیسے خیالات تھے اُن کے؟ کاروبار کیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی متفرق بے سروپا باتوں کی واقفیت رکھنے والے کو "عالم" کہا جاتا ہے۔ ایسے ماہرین سماجیات سے میں اتنا ہی کہوں گا کہ ماضی کے حالات سے آگاہ کرنا اپنی جگہ درست ہے مگر ریل گاڑی کی بھی تو اپنی ایک الگ دنیا، ایک الگ سماج ہے۔ اس ڈرامے کے ایک کردار جونس صاحب کے بھائی بندوں کی ایک الگ ذات ریلوے میں اپنی پنچایت جمائے بیٹھی ہے۔ نہ وطن کا ٹھکانا، نہ زبان کا، نہ اپنا کوئی طرز زندگی۔

تعلیم ایسی کہ دوسروں کے لیے مصیبت بن جائے۔ سماجیات کے ماہرین کو چاہیے کہ اس قوم کی تاریخ، اس کے اختلاط، اس کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی اپنے علم و فضل کی کرنیں پھینکیں جس سے ایک طبقے کے قدموں تلے کچلے جانے والے دوسرے طبقے کو کچھ راحت ملے، ساتھ ہی علم کی خدمت بھی ہو جائے۔

آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے مشہور تعلیمی اداروں میں سے ہر سال جو نوجوان ہندستانی ریلوے کا نظم و نسق سنبھالنے کی خاطر حاکم بن کر آتے ہیں انھیں و ا ے، کلاس یعنی اونچی ذات کا سمجھا جاتا ہے۔ ان نوجوان حاکموں کا یہ حال ہے کہ خود اپنی دستخطی تحریروں تک میں صرف و نحو کی پابندیوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ تحریر کا یہ عالم ہے مگر تقریر میں) تو جے سی نیس فیلڈ اور پی۔ سی۔ رین کو ٹھوکر پہ اڑانے سے نہیں چوکیں گے۔ ان میں سے ایک درجے کے لوگ روزمرّہ کی گفتگو میں جو زبان استعمال کرتے ہیں اُس کا خیال اِس ڈرامے میں کس طرح پیش کر سکتا ہوں۔ ہر جملہ گالیوں سے بھرا ہوا۔ بلڈی، فول، ڈیم، نیگر وغیرہ موتیوں سے سجی ہوئی ان کی زبان اس ڈرامے میں پوری طرح نہ اتار سکا، اسی لیے میری اِس تخلیق کی زبان بھی کمزور، غیر مؤثر اور پھیکی رہ گئی۔ جونس صاحب کی استعمال کی ہوئی زبان تو سمندر میں قطرے کی مثال ہے۔

ڈرامے میں دو اسٹیشن ماسٹر ہیں۔ ایک شریف طبیعت اور دوسرا بدخو۔ ریلوے میں پارسی، اناولا (ایک ذات) بنیا، گوانیز (گوا کا باشندہ)، دیسائی، پاٹی دار (ایک ذات) برہمن، مسلمان وغیرہ مختلف ذاتوں کے اسٹیشن ماسٹر ہوتے ہیں۔ میں نے ڈرامے میں کام کرنے والے اسٹیشن ماسٹروں کے نام جان بوجھ کر نہیں دیے ہیں تاکہ مشابہت کا خطرہ نہ رہے۔ ایک اسٹیشن ماسٹر کو ڈپٹی کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے دوسرے کو اسسٹنٹ بنا کر پیش کیا ہے۔ ڈپٹی اچھا آدمی ہے اور اسسٹنٹ خر دماغ اور بُری طبیعت کا۔ ڈرامے میں دو مسلمان کردار غلام محمد اور عبدالکریم موسیٰ بھی آتے ہیں۔ ان دونوں کرداروں کی تخلیق میں نے ہندو مسلم یک جہتی کے پیش نظر کی ہے۔ بیشتر کارخانوں میں غلام محمد جیسے لوگ آج بھی مل جائیں گے جو اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ دوڑتے انجن میں لوہے کی بیٹی پر، کوئلے کے ڈھیر پر، انجن کی پچھلی ٹنکی پر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے پینے والے ہندو مسلمان عام طور پر نظر آئیں گے۔ مویشی لانے لیجانے کا کام

کرنے والے موسیٰ کے دل میں بے زبان جانوروں کی تکلیف کا جو احساس ہے وہ شاید بہت سے ہندو بھائیوں کے دل میں بھی نہ ہو۔ ریلوے کی دنیا میں گائے، بھینس، گھوڑے، بکری کے نقل و حمل میں جس بے دردی کا ثبوت دیا جاتا ہے اُس کے مقابلے میں سڑک کے ذریعہ مال و اسباب کا نقل حمل زیادہ حفاظت اور احتیاط سے ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ان دو مسلمانوں کو ہر ذی روح ایک سا محسوس ہوتا ہے تو یہ قدرتی بات ہے۔

ایسی رنگ برنگی ہے یہ ریلوے کی دنیا۔ فائرمین کی زندگی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فائرمین اتنا زیادہ دکھی نہیں ہے جتنے کہ کھیتوں، چائے کے باغوں یا سونے، ہیرے اور کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدور۔ پھر بھی فائرمین ہماری اُس توجہ اور ہمدردی سے محروم ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ اسی احساس نے مجھے یہ ڈرامہ لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ دوسرے درجے میں سفر کرنے والے شخص کو اگر حسنِ اتفاق سے اوپر کی برتھ مل جاتی ہے تو وہ بڑی بڑی باتیں کرنے لگتا ہے ــــ "مجھ سے تو رات کا سفر ہوتا ہی نہیں ہے" یا "مجھے سفر کے دوران نیند ہی نہیں آتی ہے"۔ ایسے مسافر کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ جس گاڑی میں وہ سفر کر رہا ہے اس میں گھوڑے اور بیل جتے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اس جیسے ہی آدمی اِسے چلا رہے ہیں، تو شاید اس کی نیند ہمیشہ کے لیے اڑ جائے۔ میری اِس تخلیق کا ایک مقصد لوگوں کو یہ احساس بھی دلانا ہے۔

مسافروں کی لامحدود دشواریوں اور تکالیف کی مکمل تصویر کشی اس چھوٹے سے ڈرامے میں کیوں کر ہو سکتی ہے؟ ریلوے کی دنیا میں چوبیس گھنٹے جو مختلف قسم کے واقعات پیش آتے ہیں اُن کا خلاصہ بھی دو تین گھنٹے کے ڈرامے میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اسی لیے تو میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ اس تصنیف کے پیچھے جو مقصد کارفرما ہے وہ اس کے موضوع اور مشمولات کے مقابلے میں کئی گنا بڑا ہے۔ ویاس اور والمیکی کا قلم ہی اس موضوع کے ساتھ پوری طرح انصاف کر سکتا تھا اور میں ٹھہرا ایک مبتدی۔

مجھے یقین ہے کہ کسی کو بھی اس ڈرامے میں مبالغہ آمیزی کا احساس نہیں ہوگا۔ میں نے ڈی۔ ٹی۔ ایس اور ڈی۔ ایل۔ او کے دفتروں میں ایسے بے شمار تار خود اپنی آنکھوں سے پڑھے ہیں جن میں گائے بھینس اور بکری کے "رن اوور" یعنی گاڑی کے نیچے کٹ مرنے کی خبریں ہوتی تھیں۔ میں نے مہینوں رننگ شیڈوں کی خاک چھانی ہے۔

چلچلاتی دوپہر میں دوڑتے انجن میں سفر کیا ہے۔ میل ٹرین اسٹارٹ کرنے کے لیے ریگولیٹر کو حرکت دینے کی جسارت بھی کی ہے۔ کوئلے سے بھرا بیلچہ تک اٹھا کر دیکھا ہے۔ ڈرائیور خانے میں رات گزاری ہے۔ ریلوے کے بڑے ڈاکٹروں کے کڑوے میٹھے بول اپنے کانوں سے سننے کی کوشش کی ہے۔ کیبنوں میں وقت گزارا ہے سگنل اٹھائے اور گرائے ہیں۔ کنٹرول آفس میں دوڑتی ہوئی گاڑیوں کی گراف تصویروں کا مطالعہ کیا ہے۔ گڈس یارڈ میں نمبر ٹیکروں کی زبوں حالی، کیریج اسٹاف کی دشواریوں، کارخانوں میں کوئلے والوں اور کلینروں کی بھاگ دوڑ کا بنظر غائر مشاہدہ کیا ہے۔ افسروں کی نوابی اور ماتحتوں کی جی حضوری دیکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور دوسرے ذرائع سے بھی ریلوے کے محکمے کے حالات معلوم کیے ہیں۔ اس محکمے میں پنپنے والی رشوت خوری کی لعنت تو اظہر من الشمس ہے۔ نوکری حاصل کرنے کے لیے رشوت، نوکری برقرار رکھنے کے لیے رشوت، ایک عہدے سے دوسرے عہدے تک جانے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلے کے لیے بڑے افسروں کی جیب گرم کرنا —— یہ سب میں نے بہت قریب سے دیکھا اور سنا ہے۔ انجینئرنگ شعبہ، برج کنٹراکٹر، ٹیلی گراف انسپکٹر وغیرہ کی دنیا بھی نرالی ہے۔ مسافروں کی گندگی، جہاں بیٹھے ہیں وہیں نارنگی کے چھلکے پھینک دیے، تھوک دیے، الٹی کر دی، پانی بکھیر کر ساری جگہ پر کیچڑ کر دی، گھر سے سامان کے ایسے بڑے بڑے گٹھر لا دلائے کہ دوسرے مسافروں کو تکلیف ہو —— یہ سب تیسرے درجے کی عام باتیں ہیں نشستیں خالی ہونے پر بھی ڈبّے کا دروازہ اندر سے بند کر کے سو جانا، مسافروں کی جگہ پر ریلوے ملازمین کی اجارہ داری، ڈبّے کی بتّیاں کھلی رکھنے پر اڑے رہنا چاہے مسافروں کی نیند میں خلل کیوں نہ پڑے، یہ دوسرے درجے کا معمول ہے۔ کالے گورے کا امتیاز، امیر غریب کی تفریق، دولت یا عہدے کا گھمنڈ، دوسرے یا تیسرے درجے کا کوئی مسافر غلطی سے ڈبّے کا دروازہ کھول کر اندر جھانک لے، بس سمجھ لیجیے قیامت ہو گئی۔ اندر بیٹھے ہوئے صاحب لوگوں نے ڈانٹ پھٹکار، گالی گلوچ کی بارش کر دی۔ یہ سب پہلے درجے کی خصوصیات ہیں۔ میں نے ان ساری باتوں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ شمالی ہند کی کڑکڑاتی سردی میں ریلوے ملازمین کا ٹھٹھر کر مر جانا۔ چلچلاتی گرمی میں لُو لگنے سے کارخانے پہنچتے پہنچتے فائرمین کا دم توڑ دینا، ایسی نہ جانے کتنی ہی باتیں ہیں آخر کہاں تک

گناؤں؟ اسی لیے تو کہتا ہوں کہ اس ڈرامے میں جن واقعات کا ذکر کیا ہے وہ میرے مشاہدات کے مقابلے میں دال میں نمک کے برابر ہے۔ اور اسی بنا پر دعویٰ کرتا ہوں کہ میری اس تخلیق کو مبالغے کا رنگ نہیں دیا جا سکتا۔

اس ڈرامے کی تخلیق کے سلسلے میں جن اسٹیشن ماسٹروں، ڈپٹی ماسٹروں، کیرج اکزامنروں، ڈرائیوروں، فائرمینوں، گارڈوں، لیورمینوں، نمبر ٹیکروں، مختلف دفتروں میں کام کرنے والے کلرکوں بالخصوص ریکارڈ کلرکوں، اسٹور کیپروں، کیبن مینوں، کنٹرولروں نے معلومات بہم پہنچائی ہیں، اُن کا میں ممنون ہوں۔ اِن میں سے کئی تو میرے خاص مہربان و مربّی ہیں اُن کا جتنا شکریہ ادا کروں، کم ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے اِن کرم فرماؤں کا نام ظاہر کروں مگر یہ سوچ کر رک جاتا ہوں کہ کہیں اِن کی ملازمت پر حرف نہ آجائے۔ ریلوے کی دنیا غیبت، حسد اور چغل خوری سے بھری پڑی ہے۔ رائی کا پہاڑ بنتے دیر نہیں لگتی۔ اس صورت میں اپنے مخلصین کی روزی خطرے میں ڈالنا احسان فراموشی ہوگی۔

اب ایک آخری بات۔ میں نے یہ ڈرامہ اسٹیج کیے جانے کی غرض سے تصنیف کیا ہے۔ اِس میں بے شمار کردار ہیں۔ منظروں میں جگہ جگہ خاص قسم کی آواز پیدا کرنے والے ذرائع کی دقّت ضرور ہے مگر ہر سال بڑے بڑے جلسوں کی آرائش و تزئین پر کالج کے طلبہ جو پیسہ لٹاتے ہیں، ایسی دو تین رقمیں میسّر ہو جائیں تو یہ ڈرامہ مہنگا نہیں پڑے گا۔ پہلا سین تو بہت ہی کم خرچ ہے۔ جھونپڑیاں بنائی جا سکتی ہیں، کنواں دکھایا جا سکتا ہے، ریلوے کا پھاٹک بنانا بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ دوسرا، پانچواں اور ساتواں سین بہت سہل ہے۔ تیسرا اور چوتھا بھی کچھ مشکل نہیں۔ بس ذرا سی ہوشیاری اور چابکدستی کی ضرورت ہے۔ ایک کالا پردہ ہونا بہت ضروری ہے کہ منظر بدلنے میں آسانی ہو، اس لیے وقت گزاری کے لیے چھوٹے چھوٹے تین سین رکھے گئے ہیں۔ ریلوے کی پوشاک اور دوسرا سامان مثلاً لالٹین، وردی، جھنڈیاں، فرنیچر، ٹیلی فون وغیرہ موجودہ ڈراموں کے بھڑک دار شاہی ملبوسات سے زیادہ مہنگے نہیں پڑیں گے۔ ریل گاڑی کے آنے جانے کی آواز پیدا کرنا بھی زیادہ مشکل بات نہیں ہے۔ کردار زیادہ ہیں، یہ صحیح ہے مگر ایک ہی شخص ذرا سی ہوشیاری سے دو تین رول ادا کر سکتا ہے۔ کلینر، مسافر اور بھکاری ہر

منظر میں بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری اتنی درخواست ہے کہ ڈرامہ اسٹیج کرتے وقت کرداروں کی زبان اور تلفظ پر خاص دھیان دیا جائے۔

ایک ضروری بات، جو میں اپنے ہر ڈرامے میں کہتا ہوں، یہ ہے کہ عورتوں کا رول عورتوں کو ہی دیا جائے۔

گجرات میں ایک خوبصورت اور عالی شان تھیئٹر تعمیر کرنے کی میری دیرینہ خواہش رہی ہے۔ کون جانے میرا یہ خواب کس دن شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ میرا دل پسند تھیئٹر ہو تو دیکھیے کہ میں یہ ڈرامہ کس طرح اسٹیج کرتا ہوں۔ موجودہ تھیئٹروں میں ڈرامے کی ابتدا کے وقت تین گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں مگر میں اس ڈرامے کی شروعات میں گھنٹیوں کی جگہ ریلوے اسٹیشن پر استعمال ہونے والا گھنٹہ بجواؤں۔ پانچ سات آدمیوں کو فائرمین کی وردی پہنا کر اُن سے ڈرامے کی کتابیں فروخت کرواؤں۔ تھیئٹر کے گیٹ پر ٹکٹ پھاڑنے والے لوگوں کو ریلوے اسٹیشن پر دکھائی دینے والے ٹکٹ کلکٹروں کا یونیفارم پہنواؤں۔ اُن کے ہاتھ میں ٹکٹ چیک کرنے والی مشین یعنی پنچ بھی دوں۔ ڈرامے کی ٹکٹیں بالکل اُسی طرح بنواؤں جیسی کہ ریلوے میں ہوتی ہیں۔ رام چرن بھیّا اگر ڈھولک کے ساتھ گا سکے تو ہارمونیم کا استعمال نہ کروں۔ میرا اپنا تھیئٹر ہو تو میں کیا کیا نہ کروں؟

چندرودن مہتہ

تشریح اصطلاحات

[لغت صرف ادب کی دنیا میں ہی نہیں ہوتی۔ متعدد ادبی تخالیق کے آخر میں مصنّف اُن مشکل اصطلاحات کی تشریح کر دیتا ہے جو اس تخلیق میں وقتاً فوقتاً استعمال کی گئی ہیں۔ ادبی دنیا کی طرح جیل کی دنیا، مل اور کارخانے کی دنیا، ریل گاڑی کی دنیا وغیرہ کی اپنی اپنی لغت ہوتی ہے۔ جیسی تخلیق ہوتی ہے، اس کے ماحول کے اعتبار سے ویسی ہی اصطلاحات کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اس ڈرامے کا بھی اپنا ایک الگ ماحول اور اپنی علیحدہ اصطلاحات ہیں، اسی لیے ان کی تشریح یہاں ضروری سمجھی جاتی ہے۔]

دراور : ڈرائیور۔ انجن چلانے والا۔

لائٹ انجن : بنا بوجھ کے اکیلا دوڑنے والا انجن۔

دراورخانہ : ڈرائیوروں کے لیے رات بسر کرنے کا مکان۔

کال بوائے : ڈرائیور وغیرہ کو یہ بتانے جاتا ہے کہ ان کی ڈیوٹی کس گاڑی پر لگائی گئی ہے۔ ان لوگوں کو جگانے وغیرہ کا کام بھی کال بوائے کے ذمّے ہوتا ہے۔

ٹن ٹیبل : ٹرن ٹیبل؟ انجن کا رخ ایک سمت سے دوسری سمت موڑنے کے لیے گول گڑھے کے اوپر ریل کی گھومنے والی پٹری۔

لوکو : LOCO ریل گاڑی کی دنیا کے خاص طور پر دو حصے ہوتے ہیں — لوکو اور ٹریفک۔ اس کے بعد انجینئرنگ، میڈیکل وغیرہ۔ ٹریفک یعنی اسٹیشن اور اس سے متعلقہ امور کی دیکھ بھال کرنے والا شعبہ۔ لوکو یعنی انجن کی صفائی اور مرمت وغیرہ کرنے والا شعبہ۔ ڈرائیور، فائرمین، صفائی والے وغیرہ اسی شعبے سے

تعلّق رکھتے ہیں۔

ڈی۔ایل۔او: ڈسٹرکٹ لوکو سپرنٹنڈنٹ کا مخفف۔ لوکو کے ایک مخصوص شعبے کا نگراں۔

ڈی۔ٹی۔ایس: ڈسٹرکٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ۔ ٹریفک شعبے کا نگراں۔ کہیں کہیں یہ دونوں شعبے ایک ہی افسر کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ اُس صورت میں اُس عہدے دار کو ٹرانسپورٹ سپرنٹنڈنٹ کہا جاتا ہے۔

ایکس۔ای۔این: انجینئرنگ شعبے کا نگراں، ایگزیکٹیو انجینئر۔

ٹی۔آئی : دورانِ سفر ٹکٹ چیک کرنے والا افسر، ٹکٹ انسپکٹر۔

بی۔آئی : پل کی چیکنگ کرنے والا افسر، برج انسپکٹر۔

سوپر ہینٹر : ایک تیز رفتار اور زیادہ طاقت والا انجن۔

کپلنگ : دو ڈبّوں کو جوڑنے والی زنجیر۔

بفر : ڈبّے کے آگے پیچھے ہاتھی کے پاؤں کی شکل کے دُو دُو پائے لگے ہوتے ہیں جن کے اندا سپرنگ ہوتی ہے۔

ڈیڈ اینڈ : ریل کی پٹری جہاں ختم ہوتی ہے وہاں ایک روک لگا دیتے ہیں۔

کیبن : سچ پوچھیے تو یہ ریل گاڑی کی دنیا کا دل ہوتا ہے۔ پٹری جوڑنے اور سگنل گرانے اٹھانے کا کام یہیں ہوتا ہے۔ لیور کی کھینچ تان میں ذراسی چوک ہوئی کہ ریل گاڑی کا ستیاناس۔ گاڑی کو ایک پٹری سے دوسری پٹری پر لے جانے، اُسے کھڑا رکھنے وغیرہ کا سارا کام اس چھوٹے سے کمرے میں کام کرنے والے کیبن مین کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

ٹریک سرکٹ : ٹریک سرکٹ۔ کیبن میں بجلی کی ایسی کرامت کہ دور ایک پٹری پر انجن یا گاڑی کھڑی ہو تو دوسری گاڑی کو اُسی پٹری پر جانے کے لیے کوئی سگنل ہی نہیں مل سکتا۔ ایک حفاظتی تدبیر۔

کنٹرول : صدر دفتر جہاں اگلے پچھلے اسٹیشنوں کے ساتھ ٹیلی فونی رابطہ ہوتا ہے۔ کون سی گاڑی کہاں اور کدھر سے جائے گی، اس کی دیکھ بھال اسی دفتر میں ہوتی ہے۔

رننگ شیڈ : بڑا کارخانہ جہاں انجن رکھے جاتے ہیں۔

لوپ لین : لوپ لائن۔ ضمنی پٹری۔
مین لین : مین لائن۔ اصل پٹری۔
پائلوٹ : پائلٹ۔ اسپشل ٹرین گزرنے سے قبل، پٹری صحیح سلامت ہے یا نہیں، یہ دیکھنے والی گاڑی۔ اس کے ساتھ ایک آدھ افسر کا سلون ہوتا ہے۔
سنٹر : شنٹر۔ اسٹیشن پر کھڑی مال گاڑی کے ڈبے یہاں سے وہاں منتقل کرنے والے انجن کا ڈرائیور۔ بلحاظ عہدہ —— پہلے فائرمین، پھر شنٹر پھر ڈرائیور۔
ٹیچر : اسٹریچر۔ بیمار یا زخمی آدمی کو لے جانے کے لیے بغیر پایوں کا پلنگ۔
ٹروک : ڈیڈ اینڈ۔ جہاں سے آگے گاڑی نہیں جا سکتی
کوپریٹی : کوآپریٹو سوسائٹی۔

مقام ــ وقت۔

کرسمس کی چھٹّی کے مسلسل تین دن۔ سنیچر کی شام سے سوموار کی صبح تک۔

پہلا ایکٹ۔ سنیچر

منظر ۱	=	فائرمین کی کوٹھری	شام
منظر 2	=	کارخانے کا ایک حصّہ	رات
منظر 3	=	وٹینگ روم	آدھی رات

دوسرا ایکٹ۔ اتوار

منظر ۱	=	اسٹیشن ماسٹر کا آفس	دوپہر
منظر 2	=	راستہ	شام
منظر 3	=	پلیٹ فارم	رات

تیسرا ایکٹ۔ سوموار

منظر ۱	=	پلیٹ فارم	رات کا پچھلا پہر
منظر 2	=	راستہ	صبح پو پھٹنے کا وقت
منظر 3	=	فائرمین کی کوٹھری	سویرا

پہلا ایکٹ ـ پہلا منظر

کردار : بادھرجی، رُکھی، نارن، رام چرن بھیّا، جونس صاحب، کال بوائے۔ ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر، اسٹور کیپر۔

شام کا وقت۔ سامنے، لیول کراسنگ پر جس طرح کا پھاٹک ہوتا ہے، ویسا ہی پھاٹک جو اس وقت بند ہے۔ پھاٹک کے ایک پٹ کے اوپر لال بتّی روشن ہے۔ ایک طرف، کنویں کی جگت کے اوپر سے ایک آڑی چمنی سی دکھائی دیتی ہے جس میں سے کبھی کبھی دھواں نکلتا نظر آتا ہے۔ دوسری طرف، دو کوٹھریاں، جن کا رخ کنویں کی طرف ہے۔ کوٹھریوں کی پشت پر صاحب لوگوں کے لیے بنا ہوا ٹینس کورٹ تصوّر کر لیا جائے۔

["گولی، چھوکرا۔ گولی! گولی! ایئی بلڈی، جلدی، جلدی" —— اندر سے اس طرح کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ لان پر کبھی کبھی ٹینس کی گیند آجاتی ہے، کچھ لڑکے آجاتے ہیں اور گیند اٹھا لے جاتے ہیں۔ ایک گیند کنویں میں جا گرتی ہے، لڑکے مایوس ہو کر کنویں میں جھانکنے لگتے ہیں۔ اندر سے ٹینس کھیلنے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ رُکھی پانی بھر کر آتی ہے اور خالی گھڑا لیے واپس جاتی ہے۔ اس طرح وہ چکّر لگاتی ہی رہتی ہے۔ جونس صاحب ہاتھ میں ٹینس ریکٹ لیے داخل ہوتے ہیں۔]

جونس : ٹُم دیکھا کائے کو نہیں؟ ایں! یو بلڈی ——

نارن : ساب، اس میں گر گیا۔

جونس : بَٹ ٹُم دیکھا کائے کو نہیں؟ ڈیم، جاؤ اندر کویں میں اور لے کر آؤ، بدماش!

(رُکھی آتی ہے۔ ان لوگوں کی باتیں سنتی ہے۔)

رُکھی : نارنے! کیا بات ہے رے؟

نارن : کچھ نہیں ماں! ساب کی گیند کنوئیں میں چلی گئی ہے۔

رُکھی : تو کیا تو نے پھینکی ہے؟

نارن : نہیں ماں! میں کیوں پھینکتا؟ وہ تو ساب کے بلّے سے لگ کر اِدھر آگئی، میں جب تک پکڑوں، وہ کنوئیں میں جا پڑی۔

جونس : یہ جھوٹ بولتا ہے، بدماش! گدّھا۔

نارن : نہیں ماں، وہ ——

جونس : چوپ رہو، یو نیگر! گراٹو دیکھا کائے کو نہیں، جنگلی! (نارن کو پکڑ کر دو چار ریکیٹ رسید کر دیتا ہے) ابھی آواج کرتا ہے؟ (رُکھی دیکھتی رہتی ہے) کیا، ٹمارا چھوکرا ہے؟ (رکھی کے ذرا قریب جاتا ہے) ہیں، بولٹا کائے کو نہیں؟ ابھی جانے دیٹا ہے، نہیں تو فائن کرتا ام۔ (نارن سے) جاؤ ٹم۔ (رکھی بھی چلی جاتی ہے) بلڈی فائن وومین!

(آنکھ مار کر دیکھتا رہتا ہے۔ پھر سیٹی بجاتا ہوا چلا جاتا ہے)

[بادھر آتا ہے۔ کندھے پر ٹوکری ہے۔ بدن پر میلے کچیلے بوسیدہ کپڑے ہیں۔ چہرے پر شدید تھکن کے آثار ہیں۔]

بادھر : رُکھی! او رُکھی!

رُکھی : (پیچھے سے آکر) اے لو، آج اُس ساب نے تمہارے نارن کو مارا۔

بادھر : کیا کہا، کون سے صاحب نے؟

رُکھی : ارے وہی۔ وہ دیکھو۔ وہ جو کنوئیں کی من پر بیٹھا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے کھیل رہا تھا۔ وہاں سے گیند اچھل کر یہاں آئی اور کنوئیں میں چلی گئی اس پہ اُس نے نارن بچارے کو دھن کر رکھ دیا۔

بادھر : ارے وہ تو اپنے جونس صاحب ہیں!

رُکھی : جونس ہو یا بونس، بن بات کیوں بچے پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟

بادھر : او نہہ ہوگا، لارو ڈی دے۔ ہائے رام! کوئلہ جھونکتے جھونکتے کندھے رہ گئے۔

رُکھی! پتہ ہے، یہ جونس تو اپنا ڈرائیور ہے

رُکھی : درا اور ہوگا اپنے گھر کا۔ درا اور ہے تو کیا چھوکرے کو مارے گا؟ آج ہوا سو ہوا، پھر کبھی ہاتھ اُٹھایا تو دیکھنا! ارے، اس ٹوکری میں کیا لائے ہو؟

بادھر : پھل ہیں۔ انھیں ہاتھ مت لگانا!

رُکھی : کیوں؟ کیا بچّوں کے لیے نہیں ہیں؟ (ٹوکری کھولنے جاتی ہے)

بادھر : بچّوں کی سگی! ٹوکری مت کھول۔ دوسرے کے یہاں پہنچانی ہے۔

رُکھی : کسے؟

بادھر : اب تو مجھے کھانا بھی دے گی یا یوں ہی جھک جھک کرتی رہے گی؟ بارہ گھنٹے نوکری کرکے آؤ تب بھی یہاں وہی بک بک جھک جھک۔ تو کھانا نکال، تب تک میں کنوئیں پر نہاکر آتا ہوں۔ اور دیکھ، ٹوکری کو مت چھونا، صاحب کے یہاں بھجوانی ہے۔ تجھے نہیں معلوم، ناتال کے دن ہیں؟

رُکھی : کون سے ساب کو؟ پوری دیوالی یوں ہی چلی گئی۔ بچّوں کے منہ میں مٹھائی کے نام سے ایک کھیل بھی اُڑکر نہیں گئی۔ اور اس موئے ساب کو ٹوکری بھجواؤ! اس کی دیوالی اور ہماری ہولی!

بادھر : چپ رہ مورکھ، تو نہیں سمجھے گی! ساب کے یہاں ٹوکری جانے سے ہمیں بھی دو پیسے زیادہ کی آس ہے۔ رام بھیّا سے پوچھ۔

(پڑوسی رام چرن آتا ہے)

رام چرن : کیا ہے بھائی؟

بادھر : کچھ نہیں بھائی، وہی اپنی فروٹ والی بات ہے۔ بارہ بارہ گھنٹے انجن میں کوئلہ جھونکنے کے بعد کہیں مشکل سے آٹھ آنے روز ملتے ہیں۔ ساب کی مہربانی ہو تو دس آنے ہو جائیں۔ اسی لیے ساہب کے لیے یہ ٹوکری لایا ہوں۔ دیکھا جائے تو یہ بچّوں کے لیے ہی ہے؟ پر کیا کریں؟ یہ ٹوکری بھی کم پڑے گی۔ ابھی تو دو بوتلیں اور لانی ہیں۔ مگر اتنا پیسہ کہاں ہے؟ رُکھی کو تو یہ ٹوکری بھی کھٹک رہی ہے؛ ٹھیک ہے، بوتلیں نہیں لاؤں گا۔

رام چرن : یہ تو بائی! ریلوئی کی بول بالا ہے۔ ہمیرے (ہمارے) ڈیپاٹ میں بھی ایسا ہی چلتا۔ اُس کی ناتال آئی تو دس بیس باٹل بھیجنا ہی پڑتا۔ سب ریلوئی باٹل سے ہی چلتا۔

رُکھی : مگر بھیّا جی! ابھی تمہارا ہی اُدھار چکتا نہیں ہوا کہ یہ دوسرے کا سر پر سوار ہوگیا۔
رام چرن : ہمارا ادھار تو ٹھیک ہے۔ اُس کی پرواہ مت کرو۔ سب ریلوئی ایسی۔ یہ ناتال میں دیکھو تو یہ سب ڈی ٹی ایس، ڈی ایل او، ایکسی این ساب اور وہ بڑا ڈاکٹر سب ناچ رنگ کریں گے، بأل پئیں گے، جگار کھیلیں گے۔ سب درا در لوگ اور مڈم ساب سب دھوم مچائیں گے۔ کون کس کی عورت، وہ بھی بھول جائیں گے اور یہ سب مزا ساری لین پر اپنا بگار میں بنے نکلے گی۔ تم جاؤ بائی! بادھر کو کھانا دو۔ اچھا، جے رام جی کی۔ میں بھی تھوڑا پکائے لیتا ہوں۔ آج رات کو اسپیسل جانے والی ہے۔ اسٹیشن ماسٹر ساب آج نہیں آیا ابھی؟
رُکھی : ابھی تک تو دکھائی نہیں دیا۔ ویسے تو روج اتنے وکھت تک آجاتا ہے۔
رام چرن : آج نارن بھی نہیں آیا کیا؟ اتنی رات ہوگئی!
رُکھی : وہ تو آج ٹینس کی جان کو رورہا ہے۔ جونس ساب نے اُسے آج ناتال کا توبھا (تحفہ) دیا ہے۔
رام چرن : کیا کیا بائی؟
رُکھی : پیٹھ پر دو چار ہاتھ رسید کرڈالے، باپ جی!
رام چرن : ارے رام رام! وہ سالا جانور جونس ایسا ہی کم بکھٹ ہے (دونوں اندر جاتے ہیں)
[نارن آتا ہے۔ ٹوکری کھول کر دیکھتا ہے۔ ایک نارنگی اٹھالیتا ہے اور کھاتے کھاتے اندر جاتا ہے۔]
رُکھی : (باہر کی طرف جھپٹتے ہوئے) ارے مت کھا نارنے! مت کھا! تیرا باپ دیکھے گا تو چلّائے گا۔
نارن : کیوں ماں، کیا یہ اپنی نہیں ہیں؟
رُکھی : کبھی ہوئی بھی ہیں؟ یہ تو رسوت ہے رسوت، تیرا باپ کہتا تھا، ساب کو بھیجنی ہے۔ مت چھوا اس جہیر (زہر) کو۔
نارن : کون سے ساب کو بھیجنی ہیں ماں؟
رُکھی : ہوگا کوئی کلموہا، صورت حرام!
(ٹوکری کا ڈھکنا ٹھیک کرکے رُکھی برامدے میں بیٹھ جاتی ہے)
نارن : ماں، کھانا کھاکے مجھے واپس جانا ہے۔

رُکھی : رات ہو گئی، اب کیا کام ہے؟ اس اندھیرے میں بھی وہ موئے ساب گیند کھیلیں گے؟
نارن : آج اُن کی دیوالی شروع ہو رہی ہے، اُسی کی دعوت ہے۔
رُکھی : ہاں، ہاں، یہ ٹوکری اُسی لیے تو آئی ہے۔ تھوڑا تھم جا، تیرا باپ نہا کر آجائے تب بیٹھ جانا۔ دیکھ، بھوکا مت رہنا۔ اور رات کو ان کلموہوں کے سوکھے اینٹھے ٹکڑے مت کھانا۔ جا بیٹا! تو بھی ٹانکی پر نہا آ!

(نارن جاتا ہے)

وہ موئے ساب لوگ آکھر کتنا کھائیں گے؟ ایسی کوئی ایک ٹوکری جائے گی؟ بچارے نارن نے چھ مہینے سے ایک سڑے کیلے تک کی صورت نہیں دیکھی۔ لاؤ تھوڑی نارنگیاں نکال کر کہیں چھپا دوں! چھوکرا کل کھالے گا۔
[ٹوکری کھول کر تھوڑی نارنگیاں نکال لیتی ہے اور گھر کے اندر رکھ آتی ہے۔ اُسی وقت رام چرن بھیّا باہر آتا ہے۔]

بھیّا : نارن آیا؟
رُکھی : ہاں۔ ٹانکی پہ نہانے گیا ہے۔
بھیّا : اوہ ـــ دیکھو یہ اسٹیشن ماسٹر بھی آگیا۔ وہ کبھی چوکنے والا نہیں۔ ریلوئی میں ایسا اچھا آدمی کوئی نہیں۔ سیدھا چلنے والا۔ کلب ولب کچھ نہیں۔ نہ لائبریری، نہ انسٹی ٹوٹ۔
رُکھی : ہاں، ہے تو بہت بھلا آدمی۔ بھگوان اس کا بھلا کرے!
بھیّا : بھگوان کیا بھلا کرے اس کا؟ بھلائی ہی ایسی اس کی کہ اس کو تنخواہ میں بڑھتی بھی کبھی نہیں ملتی۔
رُکھی : ایسا کیوں؟
بھیّا : وہ سیدھی لائن کا آدمی۔ نہ کسی کو سلام کرنے والا، نہ باٹل بھیجنے والا۔ اسی سے تو ابھی ریٹائر ہونے کی عمر ہوئی تو بھی ڈیوٹی میں پڑا رہا۔

(ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر آتا ہے)

بھیّا : آؤ، جے رام جی کی ماسٹر صاحب!
ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر : کیوں؟ بادھر جی نہیں ہیں کیا؟

(کنوئیں کی من پر بیٹھ جاتا ہے)

رُکھی : وہ ابھی ابھی کام پر سے آکر نہانے گئے ہیں۔

ڈپٹی : اور نارن؟

رُکھی : وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ نہانے گیا ہے۔

[اس بیچ بھیّا اندر جاکر کٹورے میں پانی بھرلاتا ہے اور ڈپٹی ماسٹر کو دیتا ہے۔]

بھیّا : لو صاحب۔

ڈپٹی : لاؤ بھائی! (پانی پیتا ہے) آج تو رات بھر ادھم چلے گا۔ پورے دن ذرا بھی پلک نہیں جھپکی۔

بھیّا : ہاں ساب! ٹرافک میں ایسا ہی چلتا۔

ڈپٹی : ارے بھائی، آج تو ایک اسپیشل کا ہنگامہ ہے۔ رات بھر کی پریشانی ہے۔ آج یہیں بیٹھے رہنا ہے۔

رُکھی : جرور بیٹھیو مائی باپ، تمہارا ہی گھر ہے۔ تم اتنا آجاتے ہو تو دو گھڑی باتوں سے من ہلکا ہو جاتا ہے، نہیں تو یہ ریلوے مار ڈالنے پر تلی بیٹھی ہے۔

ڈپٹی : ارے ایک بار مار ڈالے تو اچھا، پَر یہ تو تڑپا تڑپا کر مار رہی ہے۔

بھیّا : میں زرا روٹی پکالوں ساہب؟

ڈپٹی : ہاں بھائی، تو اپنا کام نپٹالے۔ ریلوے تیرے لیے رُکنے والی نہیں ہے۔ ابھی تیری ڈیوٹی کا وقت ہو جائے گا۔

(اندر جاتا ہے)

رُکھی : ماستر ساب! کیا اس ریلوئی میں سب کا سب ایسا ہی ہے؟ یہ موئے بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے ڈیوٹی کراتے ہیں۔ آکھر اور آدمی نوکر رکھنے میں ان کا کیا جاتا ہے؟

ڈپٹی : سو تو ہے۔ زیادہ آدمی بھرتی کرلیں تو نوکروں کو کم گھنٹے کام کرنا پڑے گا۔ مگر ان زیادہ آدمیوں کو پگار کون دے گا؟

رُکھی : کمپنی سرکار دے گی اور کون دے گا ——

ڈپٹی : پھر صاحب لوگوں کا پیٹ کیسے بھرے گا؟ ان کی پگار کچھ کم ہوتی ہے؟

رکھی : اورام! تو کیا ساہب کے بنا کوئی دوسرا دہ کام نہیں کر سکتا؟
ڈپٹی : ارے بہن، اس بات میں کیا رکھا ہے۔ کرنا چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے! اگر ہم ہندیوں کو آفیسر بنائیں تو بچارے اُن گوروں کے مقابلے میں آدھی بگار پر راضی خوشی سے کام کریں گے۔ کمپنی کو بھی اچھا منافع ہوگا۔ زیادہ آدمی بھی رکھے جا سکیں گے اور بارہ بارہ گھنٹے کی اس مصیبت سے بھی چھٹکارا مل سکے گا مگر وہ لوگ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے۔

رکھی : اس کی وجہ، باپ جی؟
ڈپٹی : وجہ؟..... ارے بھئی ولایت میں ان کے سگے والے جو بیٹھے ہیں، کوئی ماما کا، کوئی موسی کا! آخر انھیں کہاں کھپایا جائے؟ ہمارے اوپر جہاں ایک افسر کی ضرورت ہے وہاں آج گیارہ افسر ہیں۔

رکھی : ستیاناس جائے ان کا۔ بادھر جی کا حال دیکھو نا! جس وکھت انجن پر سے لوٹیں اُس وکھت لوتھ پوتھ ہوتے ہیں۔
ڈپٹی : ارے آگ والے کی نوکری ہے، کوئی مذاق ہے؟ کام کے حساب سے پگار دیکھو تو کوڑی کی۔

رکھی : اس کا کوئی اُپائے، باپ جی؟
ڈپٹی : کرنے کو تو بہت کچھ ہے۔ مگر اپنے اندر دم ہونا چاہیے نا؟ آج کل تو وہ حال ہے کہ میں تیرے گلے پر چھری پھیروں اور تو میرے گلے پر پھیر۔ جدھر دیکھو چغلی اور غیبت۔ کوئی یہ سوچنے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ کون سی بات اس کی بھلائی کی ہے اور کون سی نہیں۔ اسی لیے تو ہمارا بُرا حال ہوتا جارہا ہے۔ ورنہ کیا مجال کہ ایسی حالت رہے۔ سچ پوچھو بہن! اس میں اپنے لوگوں کا بھی کچھ کم قصور نہیں۔

(بادھر آتا ہے۔ رکھی اندر جاتی ہے)

ڈپٹی : کہو بادھر! کیا آیا؟
بادھر : فورٹی ون ڈاؤن ساب! ابھی ابھی آیا ہے۔ بس نہا کر سیدھا چلا آرہا ہوں۔ کیا بات ہے ساب، بہت دنوں بعد دکھائی دیے!

ڈپٹی : ہاں! میں تو روز ہی آتا ہوں۔ البتہ تیری نوکری بڑی ٹیڑھی ہے۔ ایک وقت کو رات کی ڈیوٹی چل جائے مگر روزانہ تو اس میں سارا بدن ٹوٹ جاتا ہے۔

بادھر : ساب، ایسے وکھت میں دوسرا کیا کام ملے! جی رہے ہیں، یہ بھی بھگوان کی مہربانی۔ تم جو اتنی ہمدردی رکھتے ہو وہ بھی بہت ہے۔

ڈپٹی : ارے بھائی کاہے کی ہمدردی! اس دنیا سے کیا لے جانا ہے؟ ریلوے کی نوکری کرتے کرتے تیس برس ہو گئے۔ آج جہاں پڑے ہوئے ہیں وہاں سے ہمیں کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اب زیادہ کا لالچ بھی نہیں ہے۔ عزّت آبرو کے ساتھ گھر چلتا رہے یہی بہت ہے۔

بادھر : ہاں ساب، یہی بہت ہے۔ کمپنی کو تمہارے جیسے بھلے آدمی کی کیا پڑی ہے۔ تمہارے بعد میں بھرتی ہونے والے کتنے ہی لوگ آج اسٹیشن ماسٹر ہو گئے۔ اور تم ہو کہ ابھی تک ڈپٹی کے ڈپٹی۔ کیا یہ کچھ کم جُلَم ہے؟ سب ٹھیک ہی ٹھیک ہے ساب!

ڈپٹی : ہاں بھائی! اس کاجل کی کوٹھری میں سے صاف اُجلے باہر نکل آئے تو سمجھو گنگا نہالیے۔ باقی، ریلوے میں آبرو، انصاف، سچّائی اب ہے ہی کہاں؟ اچھا بھائی، تو آرام سے کھانا کھا، میں چلتا ہوں۔ میری طبیعت بھی آج اچھی نہیں ہے۔ کہاں گئے بھیّاجی! جے رام جی کی!

بھیّاجی : (باہر آکر) اچھا ساب، جے رام جی کی، جے رام جی کی۔

بادھر : جے رام جی کی ساہب، پھر ملیں گے۔

(ماسٹر جاتا ہے)

بادھر : دیکھو تو کتنا بھلا آدمی ہے۔ ہر کسی کا کام کرنے کو تیار۔ لائن پر ایسے آدمی دو ہی تین ملیں گے جو دوسرے کے کام کو اپنے کام سے جیادا سمجھتے ہوں۔

بھیّاجی : بڑا کھاندانی آدمی ہے۔ کسی کی کھٹ پٹ نہیں۔ آپ بھلا، اپنا کام بھلا۔ وہ دوسرا اسسٹنٹ ہے، وہ تو کتّے کا اوتار جیسا ہے۔ اور یہ دیکھو، کیسا بھلا آدمی!

بادھر : ہاں! اچھا چلو اب روٹی کھالیں (ٹوکری پر نظر پڑتی ہے) ارے یہ ٹوکری کس نے کھولی؟

رُکھی : (باہر آکر) کوئی نہیں، کسی نے بھی نہیں کھولی ۔ چلاؤ مت، میں ابھی باندھے دیتی ہوں ۔

بادھر : اری مورکھ! آدھی کھائی ٹوکری دیکھ کر ساب چڑ جائے گا ۔ تو سمجھتی کیوں نہیں ۔

رُکھی : دو نارنگیاں نارن کے لیے رکھ لیں تو اس میں کیا ہو گیا؟ بچارا چھلکا دیکھنے تک کو ترس گیا ہے ۔ ساب کو کیا کھبر ہو گی کہ ٹوکری میں سے پھل نکالے گئے ہیں ۔ ایسی تو نہ جانے کتنی ٹوکریاں اُس کے یہاں آتی ہوں گی ۔

بادھر : بہت سی ٹوکریاں آتی ہیں اسی لیے تو اسے پتہ چل جائے گا نا؟

رُکھی : وہ کس طرح؟

بادھر : وہ موا پہلے گنتی کرتا ہے پھر بیچ کھاتا ہے ۔

رُکھی : ہائے باپ!

بادھر : باٹلی ہو تو دو تین کے ساتھ بیٹھ کر پیے اور اگر جیادا ہو تو اوپر والے صاحب کو بھجوا دے ۔ کوئی کال کا مارا تھوڑے ہی ہے جو سب کھا جائے گا ۔

رُکھی : اچھا چلو، کھانے کے لیے ابھی بیٹھتے ہو یا نارن کے آنے پر؟

بادھر : کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟

رُکھی : وہ گھر آکر تمہارے پیچھے پیچھے ہی نہانے کے لیے گیا تھا، ناتال ہے اس لیے واپس جانا ہے ۔

بادھر : آجانے دے اُسے ۔ چار دن بعد آج ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے ۔ نہیں تو لائن پر گیا تو کون جانے کب موکا (موقع) ملے ۔ جونس ساب نے بچارے کو بہت مارا ہے ۔

[دروازے کی طرف سے ہاتھ میں بتّی لیے کال بوائے آتا ہے ۔]

کال بوائے : اے بادھر جی ..... جانے کا ہے ۔

بادھر : کون، کال بوائے؟ کیا بات ہے بھئی؟

کال بوائے : تمھیں رات کی گاڑی پر جانا ہے ۔

بادھر : کہاں، جہنّم میں؟ جا، نہیں جاؤں گا!

کال بوائے : یہ سب نہیں چلے گا ۔ لاٹ ساب کا اسپیسل ہے ۔ آج گورا آگ والا کوئی نہیں ہے ۔

جیننگ، اسمتھ، ڈیمیلو، براؤن سب ناچنے کے لیے گئے ہیں۔ وِلکی ابھی ابھی کام پر چڑھا ہے۔ دراور کھاتہ پورا کھالی پڑا ہے! پہلے آگ والے میں تم اور دوسرے آگ والے کے لیے کسی اور کو تیار کرنا ہے۔ مکادم (مقادم) ڈھونڈنے گیا ہے۔

یادھو : ارے مگر میں تو ابھی گاڑی پر سے چلا آرہا ہوں۔ بدن پر سے دن بھر کا میل اتار کے بیٹھا ہی تھا کہ تو چلا آیا! میں نہیں جانے کا!

کال بوائے : مکادم گسّا کرے گا یادھوجی! اور ایک پورا دن کاٹ لے گا سو الگ!

یادھو : مگر انڈر ریسٹ کیسے جاؤں؟ سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ وہ دوسرا آگ والا تو نہ ہونے کے برابر! ساری رات کوئلہ جھونکتے جھونکتے ہاتھ رہ گئے۔ سگنل دیکھتے دیکھتے آنکھیں دکھنے لگیں۔ نا بھئی نا ——

کال بوائے : چھٹکارا نہیں ملنے کا یادھوجی! گاڑی کیا تمہارے لیے رکی رہے گی؟ آڈر ہے تو جانا ہی پڑے گا۔ لو سہی کرو۔

(رُکھی باہر کھڑی ہو کر سنتی ہے)

یادھوجی : نا باپ جی نا، کائدے سے مجھے چوبیس گھنٹے کا ریسٹ چاہیے نا؟ پوری دو راتوں کا جاگرن۔ کھانے پینے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ آٹھ دن میں ایک رات تو گھر پر رہنے دو۔

کال بوائے : بات بگڑ جائے گی یادھوجی! مکادم اگر کھد آیا تو بھاری پڑے گا۔ آج کسی کا بھی مگج ٹھکانے پر نہیں ہے۔ مکادم ویسے بھی چھٹنی کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔

رُکھی : تو کیا ہوا؟ جا، یہ نہیں آئیں گے۔ ذرا تو آرام کرنے دے۔ کھڑے رہنے کی بھی تو سکت نہیں۔ کمپنی کون سے ہیرے جواہرات دیے دے رہی ہے۔ ارے، کل میرا نارن کارکھانے میں تھوڑی سی لکڑی لینے گیا تو تم سب لوگ اسے کھانے دوڑ پڑے۔ اور ان سائبڑوں کے یہاں ٹوکرے بھر بھر کوئلہ اور ایندھن جاتا ہے اس کا کچھ نہیں؟

کال بوائے : رُکھی بہن! یہ سب آڑی ٹیڑھی باتیں یہاں مت کرو۔ یہ تو ریلوے ہے۔ جو لوٹ لے، اُسی کا مال اور جو پکڑا جائے وہی چور۔ نارن کو لکڑی کے لیے

منع کرنے والوں میں، میں نہیں تھا۔

دُکھی : تو نہیں تو تیرا کوئی اور بھائی بند ہوگا۔ لکڑی کے تھوڑے سے ٹکڑوں کے لیے کمپنی کچھ کنگال تو نہ ہو جاتی۔ آج ٹھیٹھ دوپہریا میں گھاسلیٹ کا ڈبّہ ڈیلوساب کے بنگلے پر جاتے ہوئے میں نے کھُد اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہمیں تو سونگھنے تک کو نیل نصیب نہیں! اب میرا منہ جیا دا مت کھلواؤ بھائی۔

کال بوائے : ہوگا بہن! چھوڑو یہ بات۔ ابھی مجھے بارہ بنگلوں کی کھاک چھاننی ہے۔ لو بادھر جی، سہی کردو۔ دو بجے فورٹو ٹنٹی ٹو میں آگ رکھی جائے گی۔ اسپیشل کا ٹیم ٹھیک تین بجے کا ہے۔ تب تک ایک اونگھ لے ڈالو۔

بادھر : نا، مجھے مت ستاؤ۔ میں نہیں جاؤں گا۔

کال بوائے : جانا پڑے گا بادھر جی! نہیں تو فروٹ کے لیے پیسا کہاں سے لاؤگے؟ ابھی تو تمہیں کمپنی کو کوریٹی کا پیسا بھرنا باکی ہے۔ نوکری چھوٹ گئی تو گھر بھر کا پیٹ کہاں سے پالوگے؟ لو کرو سہی، یا میں ہی کر دوں؟ انجن بھی بہت اچھا ملا ہے۔ ایچ کلاس، فورٹو ٹنٹی ٹو! لو چلو۔

بادھر : ڈرائیور کون ہے؟

کال بوائے : ابھی کوئی ٹھیک نہیں۔ اس کے لیے بھی دوڑنا ہے۔ تمہارا مکدّر اچھا ہوا تو جونس ساب کی باری آئے گی۔

بادھر : جونس ساب! نہیں، نہیں، کال بوائے، لوٹ جا بھائی۔ میں نہیں آؤں گا۔ ہے بھگوان! مجھے نوکری نہیں کرنی۔ پوری لین دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ جائیں، کوئلہ الگ جھونکو۔ لین کلیئر لیتے لیتے دم نکل جاتا ہے! چھاتی کا درد ابھی پوری طرح دور نہیں ہوا ہے۔ سامنے کی ہوا سے پسلیاں دکھنے لگتی ہیں۔ نا بھئی نا!

کال بوائے : مگر بھلے مانس! اسپتال میں کیوں نہیں دکھا آئے؟

دُکھی : کہاں سے جاتے اسپتال؟ ابھی تو آئے ہوئے بھی کچھ دیر نہیں ہوئی۔ دیکھ لیا تمہارا اسپتال! دو گھنٹے تک ٹانگیں توڑو تب کہیں جا کر ڈاکدر کو مُہرست ملتی ہے۔ اس پر بھی نہ دیکھے نہ بھالے، بس کاگد (کاغذ) پر الٹا سیدھا گھسیٹ

دیتا ہے۔ روگ کیا ہے، یہ تو پوچھتا ہی۔

(رام چرن باہر آتا ہے)

رام چرن : یہ کیا کھٹ پٹ لگائی ہے؟

رُکھی : لو، اسپتال کی بات بھیّا جی سے پوچھو۔ یہ بھی دو دن سے اُدھر کے چکّر لگا رہے ہیں۔

رام چرن : ارے اسپتال کا نام مت لو۔ وہ دوائی کھانہ ہے یا کسائی کھانہ؟ جو اُدھر جاتا کبھی اچھا نہیں ہوتا اور صفائی کھانے میں جو سوتا وہ کبھی باہر نہیں آتا۔ بہادر کی دوائی لینے کو رُکھی بائی گئی، تو رُکھی بائی کے نام سے ہی دوائی دے دی! اور اس میں دیکھو تو زرا بلائتی نمک۔ نہیں پوچھتا، نہیں دیکھتا کہ کیا درد ہے؟ بڑا داکتر تو بڑا اندھا ہے بھائی!

کال بوائے : ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ لو بادھر جی مجھے دیر ہو رہی ہے۔ یہ دیکھو تمھارے نام کی سہی کیے دیتا ہوں۔ دو بجے پہنچ جانا۔ اچھا جے رام جی کی بھیّا جی!

(جاتا ہے)

رام چرن : ارے کیا پھر سے ڈیوٹی آ گئی! ابھی تو کام پر سے لوٹا ہے۔ یہ کیا تماشا ہے بھائی؟ ساب کی اسپسل ہے یا میّت! سارے سارے دن حیران کر رہے ہیں!

رُکھی : تم ہی دیکھو بھیّا جی! کیسا جُلم ہو رہا ہے؟ جب سے یہ گھر آئے ہیں بے سدھ سے پڑے ہیں۔ یہ موئی ریلوئی تو جان لینے کو بیٹھی ہے! لو اٹھو۔ ڈیوٹی پر مت جانا پر کھانا تو کھا لو۔ لو، نارن بھی آ گیا۔

[نارن آتا ہے۔ سب لوگ اندر جاتے ہیں]

رام چرن : ہاں، ہاں! کھانا تو کھا لے بھائی! ہم نے بھی کھا لیا۔ تھوڑی دیر میں ہم کو بھی جانا ہے۔ اس اسپیسل نے تو بڑی مصیبت لگائی ہے۔ جاؤ بھائی جاؤ! ہم جراگا نا لگاتے ہیں۔

[بھیّا اندر جاتا ہے۔ ڈھولک اور ایک تارا لے کر آتا ہے اور وہیں دیوار کے سہارے بیٹھ جاتا ہے۔]

(بھیروِیں)

تو نے عجب بنایا ریل! ہو راما، عجب بنایا ریل!
پیٹ میں اگنی، سانس دھویں کی، یہ مایا کا فیل (فعل)!
تن کا انجن چھک چھک چالے، بڑا بنایا مہیل (محل): تو نے ...
سنسار سڑک پر چلتے چلتے، کھوب اڑایا سہیل (تفریح):
نصیب گھنٹا ہر دم بجتا، بہوت لگایا ٹیل (ٹہل): تو نے ....
کف کی کھکھری چلی رہے گی، کال سیٹی سے پہیل (پہلے):
ارے مسافر، چیٹی (چٹکی) ہیں سب کھتم ہوئے گا کھیل: تو نے .....

[گانا جاری رہتا ہے۔ بادھر اور نارن باہر آتے ہیں۔ نارن جاتا ہے۔ جاتے جاتے]

بادھر : ہاں بھیا جی، سارا کھیل چٹکی میں ہی کھتم ہونے والا ہے۔
رام چرن : رام چندر کی جے، بھائی!
نارن : ماں، میں جا رہا ہوں، دیر سے آؤں گا۔ ٹینس پر سے سیدھے اسٹیشن جاؤں گا، وٹینگ روم میں نیکھا کھینچنے۔
رُکھی : اچھا بٹیا! (نارن جاتا ہے)
بادھر : اِدھر آ نارن! لے، اس میں سے ایک نارنگی لے کر کھالے!
نارن : نہیں باپو، اب بھوک نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ بنگلے پر بھجوانی ہیں نا؟
بادھر : کہیں نہیں۔ باکی بچیں گی تو بھیج دوں گا۔ تو کھا بٹیا!
نارن : (ایک پھل اٹھا لیتا ہے) بس۔
بادھر : ٹھیک ہے۔ اچھا اب جا! اور دیکھ، اس بار جو پگار ملے وہ اپنی ماں کو مت دینا!
نارن : پھر؟
بادھر : تو ہی رکھنا! پنکھے والے کے پانچ اور کلب کے دو، کل ملا کر سات ملیں گے نا؟ ان میں سے تھوڑے پیسوں سے کپڑے سلوا لینا۔
نارن : نہیں باپو، کل چھ ملیں گے۔ اس دن گیند کنوئیں میں گر گئی تھی اس کا ایک روپیہ ڈنڈ ہو گا نا؟ (روہانسا ہو جاتا ہے)
بادھر : دل مت چھوٹا کر بٹیا! وہ ایک روپیہ میں دے دوں گا۔ جا!

رام چرن : بہوت اچھا لڑکا ہے۔ سارا دن جہمت (زحمت) اٹھاتا ہے۔
بادھر : بھیّا جی، میرے ایک کا ایک ہی ہے۔ یہ اتنا . . . .
[کال بوائے بتّی تھامے دوبارہ آتا ہوا دکھائی دیتا ہے]
رام چرن : یہ کیا ستم ہے بھائی!
بادھر : کال بوائے لگتا ہے، بھیّا جی!
رام چرن : وہی ہے۔ ابھی پھر کیوں آیا؟ اور بتّی بھی لال ہری کیوں کرتا ہے؟
بادھر : بھگوان جانے۔

(کال بوائے قریب آجاتا ہے)

بادھر : میں کہتا تھا نا بھیّا جی! کال بوائے ہی ہے۔
رام چرن : تم بھی بڑے اچھے ہو بھائی! یہ کیا لال ہرا تماشا کرتے ہو؟ بولو؟ اب کس کی موت کا پیگام لائے ہو؟
کال بوائے : کچھ نہیں بھیّا جی! تم اپنا بھجن گاؤ۔ بادھر! چلو مکادم بلا رہا ہے۔
بادھر : مگر اس وکھت کس لیے؟
کال بوائے : بس ایسے ہی۔ آج رات کوئی کھاس بات ہوگی۔ گورے لوگوں کی دیوالی شروع ہوگئی ہے نا؟ تھری ٹوئنٹی ون ڈاؤن کینسل ہوگئی۔ ولیمس لائٹ انجن لے کر جائے گا۔ تمھاری بکنگ اس وکھت کی ہوئی ہے، میل کے لیے
بادھر : مگر اسپیسل ــــــ
کال بوائے : اسپیسل وسپیسل کچھ نہیں۔ بھورین میرے پیچھے پیچھے ہی کارکھانے آیا اور ساری بکنگ بدل ڈالی۔
بادھر : کون، کھدکوگی ساب؟
کال بوائے : ہاں ہاں! اسپیسل میں تو گورا ڈرا اور گورا آگ والا دونوں اے کلاس والے جائیں گے۔ رستم جی کو پھاس (فاسٹ) دی گئی ہے اور پیر محمد کو سویرے کی لوکل۔ بھورین ساری رات کارکھانے میں بیٹھنے والا ہے۔ آڈر ہے کہ اسپیسل جانے سے چھ گھنٹے پہلے اور جانے کے دو گھنٹے بعد ہر کارکھانے بیں چوکی! اور اسپیر انجن تیار رکھا جائے۔ لو چلو، تمھیں تو ابھی گاڑی بھی سلگانی پڑے گی:

ٹوسیون ناٹ -

باد ھر : ٹوسیون ناٹ ؟ وہ توسوپ (ورکشاپ) میں بھجوانی ہے نا ؟

کال بوائے : اب دوٹرپ بعد جائے گی ۔ اسی لیے تو پہلے بلایا ہے ۔ اسٹیم پائپ دگیرا جانچ لو ، تیل وائر سب لے کر رکھ لو ۔ دِن مُنی شنکر نے اسٹور کھولا ہے ۔ چلو ، جلدی کرو ۔ میں چلتا ہوں ۔ (جاتا ہے ۔)

باد ھر : بھیّا جی ، جے رام جی کی !

بھیّا : ہاں بھائی ! دوسرا کیا ہو سکے ؟ ہم بھی اب جاتے ہیں ۔ دیکھا ؟ نصیب گھنٹا ہر دم بجتا ......

رُکھی : (باہر آکر) کہاں جا رہے ہو ؟

باد ھر : دیکھا نہیں ، کال بوائے آکر گیا ۔ بھور مین کا آڈر ہے ۔ جانا ہی پڑے گا ۔

رُکھی : ارے ، مگر دو بجے جانا تھا نا ؟ اور تم تو آج جانے والے نہیں تھے نا ؟

باد ھر : رُکھیا ! تو نری مورکھ ہے ۔ تھکا ہوا آیا تھا اس لیے منہ سے نکل گیا تھا ۔ تو نے نہیں سنا کال بوائے کیا کہ گیا ؟ اپنے کپڑے دیکھ ، ناران کا جسم دیکھ ، کوٹھری میں اناج دیکھ ! گھر میں بچاری بڑھیا ٹوکریاں ڈھوتی ہو گی اور لوگوں کا گو مُوت کرتی ہو گی ۔ نہیں جاؤں گا تو کیسے چلے گا ؟ جب تک بدن میں جان ہے تب تک ٹھیک ہے ، نہیں تو رام نام ۔

رُکھی : تمھیں میری سوگند ! آج مت جاؤ !

باد ھر : مورکھ ، پگلی ! کنبے کا کھیال کر ! سر پر کتنا اُدھار چڑھا ہے کچھ اُس کی تو سوچ ۔ رام بھیّا کا بھی اب ......

رام چرن : ارے بھائی ! ہمارا تو نام چھوڑو ! ذرا چھوٹ ہووے تب دینا ۔ اس کا فکر مت کرو ۔

باد ھر : یہ تو تمھاری مہربانی ہے بھائی ! پر اپنی گردن آجاد (آزاد) رکھنا ہی اچھا ہے نا ؟ کال کی سیٹی بجے ، اُس وکھت کوئی بھی کر چنتا تو نہ ہو ! لا میرے کپڑے لادے ۔

(اندر جاتا ہے)

رام چرن : ارے واہ جی! بھجن تو تم نے کھوب یاد کر لیا!

دُکھی : مگر کھانے کا کیا ہوگا؟ روٹی کب پکے گی اور کب لے جاؤ گے؟ ابھی تو برتن بھی پورے نہیں دھلے۔ یہ بھی کوئی نوکری ہے رام بھیّا جی! ویسے بھی ان کی چھاتی میں درد رہتا ہے۔ ایک تو گاڑی کی ٹھنڈی ہوا اور دوسری آگ کی گرمی۔ اُس پہ پھاوڑے بھر بھر کوئلہ جھونکو! کندھے سُن نہ ہوں تو کیا ہو؟ آگ والا کوئی آسمان سے تھوڑے ہی اترتا ہے۔ آٹھ دن میں ایک رات بھی گھر پر رہنے کو نہیں ملتا! چین سکون کی دو روٹی نصیب نہیں! سونے کا تو نام ہی نہیں! ہے بھگوان!

رام چرن : سچ ہے بائی! پسنجر جانت کہ دو روپے کا کرایہ دیا اور گاڑی میں بیٹھا کہ چلا گاؤں۔ لیکن نہیں جانت کہ آدمی بیل گھوڑے سے جیادا بے حال ہوتے ہیں۔ آگ والے کے پسینے سے تو سارے انجن کی آگ بجھ جائے۔

بادھر جی : (میلے کپڑے پہنے باہر آتا ہے) او بھگوان! دُکھی! آج تو چھاتی بری طرح دُکھ رہی ہے! آج نہیں جایا جائے گا!

دُکھی : میں بھی تو یہی جھک جھک کر رہی ہوں! میری کسم! مت جاؤ! چھوڑ میں گیا جہنّم میں۔ تم ہو تو سب کچھ ہے۔

بادھر : ارے دُکھی! یہ پیٹ کسی کو چھوڑنے والا ہے؟ (بیٹھ جاتا ہے)

رام چرن : ارے بادھر جی! ہمّت رکھو! رام کا نام لو۔ سب اچھا ہو جائے گا۔ چھاتی دکھتی ہے تو سِک رپوٹ دے دو۔ ریلوئی کے لیے کیا جان دیں گے؟

[میلی پتلون اور قمیص پہنے، بتّی اور کاغذ لیے دوسرا آدمی آتا ہے۔]

رام چرن . اب یہ کون حیوان آیا؟

بادھر : (دیکھ کر) کون، ارے یہ تو اسٹور کیپر دکھائی دیتا ہے۔

رام چرن : یہی راستہ ملا اس کو!

اسٹور کیپر : بادھر کا گھر کون سا ہے؟

دُکھی : کیوں، کیا بات ہے؟

اسٹور کیپر : کدھر ہے بادھر؟ او بھائی! چلو چلو۔ کال بوائے بولا کہ نہیں؟ ایک دم چلو۔

بادھر : ہم نہیں آسکتا ۔ ہم سِک میں جاتا ۔
اسٹور کیپر : ارے چلو ! بڑا آیا سِک میں جانے والا ۔ کیا ہو گیا اتنے میں ! دِکھتا ہے تو پٹّھا جیسا ۔ چلو، پھورمین چلّاتا ہے ۔
رُکھی : چلّاتا ہے تو چلّانے دو ۔ آج یہ نہیں جائیں گے ۔
اسٹور کیپر : تم ہمارے ساتھ جیاستی بات مت کرو ۔ چلو اے ! ہم تم کو گھسیٹ کر لے جائے گا ۔
بادھر : ارے بابا، میری چھاتی میں دُکھتا ہے ۔ میرے اندر جرا بھی تاکت نہیں بھائی ! میں ڈھونگ نہیں کر رہا ہوں ۔
اسٹور کیپر : وکھت نکلا جا رہا ہے ۔ تم آتا ہے کہ نہیں ؟ نہیں تو ڈِس مس کرتا ہے، بولو !
رام چرن : ارے اس کی حالت تو دیکھو ! دوسرا کوئی آگ والا ملتا کہ نہیں ! بس یہی بادھر جی ہی دِکھتا ۔ ابھی تو آیا ہے ۔ انڈر ریسٹ کیسے جا سکے بچارا ؟
اسٹور کیپر : (ہاتھ پکڑ کر) چلو، کائدہ بتاتا ہے ہم کو ۔ بڑے آئے انڈر ریسٹ والے ! بہوت دیکھا ایسا ۔
بادھر : آتا ہوں بھائی ۔ رُکھی ! میں جا رہا ہوں ۔ نوکری کے ساتھ ساتھ بادشاہی نہیں چلے گی ۔ اپنے نارنیا کے بڑے ہونے تک ہاتھ پاؤں گھسوں گا ۔ سنبھال کر رہنا ۔ میں چلتا ہوں ۔ رام بھیّا، جے رام جی کی ۔
رام چرن : کیوں بادھر جی، جاتے ہو ؟
بادھر : ہاں بھیّا جی ! جرا گھر کا کھیال رکھنا ! کیا کریں پیٹ کا سوال ہے ۔ اس عمر میں نوکری چھوٹ جائے تو کون دوسرا پوچھنے والا ہے ؟
رام چرن : جے رام جی کی !

[دونوں جاتے ہیں]

بادھر : (جاتے جاتے) دھیرج رکھنا رُکھی !
رُکھی : (روہانسی ہو کر) تم بھی اپنے کو سنبھالنا ! رام بھیّا ! یہ سب کتنے دن سہا جائے ؟ ایسا بھی کہیں ہوتا ہے ؟ بھگوان ! جانے بھگوان بھی کہاں چھپا بیٹھا ہے !
رام چرن : رام کا نام لو بائی، سب اچھا ہو گا ۔

[رام چرن بھجن کی ایک سطر گاتا ہے۔ اُس کے چپ ہوتے ہی —]

دُکھی : یہ کوئی کم جُلم ہے رام بھیّا! آگ والا دو گھنٹے پہلے جائے، انجن میں آگ سلگائے، تیل پانی کرے اور ڈرا ور سب سے بعد میں راجہ کی طرح جائے۔ اور پگار میں اُسے آٹھ روپیہ، دس روپیہ روج! اور آگ والے کو بہت بہت کر کے دس آنے بھی نہیں۔ اور نوکری کم بکھتی ماری کوئلہ جھونکنے کی، آگ سلگانے کی، سنگل دیکھنے کی، لین کلیئر لینے کی۔ گاڑی بگجڑ جائے اس کی دیکھ بھال الگ۔ اکیلا آدمی کہاں تک اتنا سب کرے!

رام چرن : ریلوئی کی بات مت کرو۔ یہ تو سب جھوٹا، سب پول، بڑا گھوٹالا۔ ٹرافک میں دیکھو، لوکو میں دیکھو، انجینئری میں دیکھو اور الیکٹری میں دیکھو۔ سب رشوت سے سڑے ہیں اور گریب کی تو پوچھو ہی مت۔ کسی کی داد نہ پھریاد۔ بیلا ٹنگا اور ٹوپیں لگایا کہ ساب اپھسر بن گیا۔ سب چلتا ہے! رام رام جی! روٹی تیار کرو بائی۔

دُکھی : ہاں بھائی! ناشتہ گھا سلیٹ بھی نمٹ گیا ہے۔

رام چرن : یہ رکھو ہمارا اپھانس۔ ہم کو جرورت نہیں۔

دُکھی : بھیّا جی! تمھارا اپڑوس ہے تو اتنی بھی آس ہے۔

رام چرن : ارے رام کا نام لو۔

[دونوں اندر جاتے ہیں۔ صاحب ہاتھ میں ٹینس ریکٹ لیے گیٹ کی طرف جاتا نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی نشے میں دُھت ایک دو افسر اور میڈ میں بھی جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ دُکھی کا نل پہ جانا اور پانی بھر کر لانا جاری ہے۔ اُس کی اور جونس کی آمد ساتھ ہی ہوتی ہے۔ جونس بھی تھوڑا بہت نشے میں ہے۔]

جونس : اے، اے! یو گرل، سُنتا نہیں بلڈی سوائن!

(دُکھی اندر چلی جاتی ہے)

اے! کدھر گیا! اے چھوکرا کی ماں: بلڈی فائن! ادھر آؤ!

(کنوئیں کی جگت پر بیٹھتا ہے)

ہے! بول اس میں گیا ہے۔ چھوکرا! چھوکرا! کیا سب کا سب مرگیا؟
(یکایک کھڑے ہو کر جھومتا ہوا رُکھی کی کوٹھری کی طرف جاتا ہے) ٹرلالا....
لالا.... لالا..... ہے ہے ای! اماری ساتھ بولو، بات کرو، ائی! اِدھر
آؤ!

(رُکھی برامدے میں آکر کھڑی رہتی ہے)

ہائے ڈیئر! (پکڑنا چاہتا ہے)

رُکھی : ہٹ جا موئے سرابی!

جونس : اے ام ہپیا دیٹا، اے!

[رُکھی دروازہ بند کرنے جاتی ہے۔ جونس اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہے مگر کواڑ کا دھکا کھا کر برامدے میں آن گرتا ہے۔ رام چرن باہر آجاتا ہے]

رام چرن : یہ کیا نیا ٹنٹ ٹک آیا ـــــ کون، جونس ساب! ارے جاؤ ہیاں سے۔ یہ دراورکھانہ نہیں ہے۔

رُکھی : ارے مارواسے رام بھیّا! کوٹھری میں گھسا آتا ہے۔ کھراب سراب باتیں کرتا ہے۔

رام چرن : یہ نئی بلا، رام رام! یہ رات کیا ایسی ہی جائے گی۔ اے جونس ساب! چلے جاؤ ہیاں سے! چھی، کیسی باس (بو) آرہی ہے! اس کا ریوٹ بھی کیسا کرے! کون سنے گا! (جونس کو پکڑ کر کھڑا کرتا ہے اور دھکیلتا ہے) جاؤ ادھر سے، نہیں جائے گا تو رام ڈنڈ پھراؤں گا۔

جونس : یو بلڈی سوائن! چوپ راؤ! توم کون ہے؟

رام چرن : تیرا باپ بھیرو، اور کون؟ جاتا ہے یا نہیں! سیدھا سیدھا چلے جاؤ۔

جونس : ڈیم یو۔ بلڈی بدماش۔ ہم مارے گا ٹم کو۔

رام چرن : اے منہ سنبھال کر بولو۔ گالی مت دو۔ بہت دیکھا تم جیسا مارنے والا۔ (اندر سے لاٹھی لاکر دکھاتا ہے) بولو اب کیا حساب ہے! سیدھی طرح جاتا ہے یا نہیں! ایک ہی ہاتھ میں جمین (زمین) کے ساتھ سپاٹ کردوں گا!

جونس : (جاتے جاتے) یو ڈیم، ہم مارے گا ٹم کو۔ بلڈی رو گ۔

(چلا جاتا ہے۔)

رام چرن : مارے گا! ابھی اولاد کھتم کر دوں گا۔ بدماش کہیں کا۔ جاؤ کام کرو، بائی! یہ انگلیس دیوالی تو دیکھو! ساب بنا ہے! کہاں کا ساب! باپ کون، ماں کون ـــــ رام جانے! گٹ پٹ سے کیا ڈر جائیں؟ ہونہہ! جانور سالے! پوری ریلوئی کی کھرابی کرتے ہیں یہ لوگ!

(رُکھی اندر جاتی ہے۔ کال بوائے پھر آتا دکھائی دیتا ہے)

کال بوائے : ارے رام بھیّا! گائے کو ایسا ہی کھلا چھوڑ دیا ہے، ساری دنیا میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ کوکسن ساب کے بنگلے کی ساری پھول پھلواری نوچ کر پھینک دی۔ ساب بہت گرم ہو رہا ہے۔ گائے کو مارا سوالگ! اب سے اسے کھونٹے پہ باندھنا، نہیں تو یادھرجی پہ ڈنڈ کرے گا۔

رام چرن : ابے چل بے، آیا بڑا ڈنڈ والا! یادھرجی پہ ڈنڈ کس لیے؟

(رُکھی باہر آتی ہے)

کال بوائے : کیا اسے کھبر نہیں ہے کہ گائے اصل میں یادھرجی کی ہے اور تم اسے پال رہے ہو۔

رام چرن : تو کیا ہوا، گناہ کیا؟ ـــــ کیا اُس کوکسن نے اس کو مارا ہے؟ گائے کو مارا ہے؟ ٹھیک ہے، ابھی دیکھتا ہوں۔

رُکھی : بھیّا جی! ہمارے لیے تم کوئی پنچایت مول مت لینا۔

کال بوائے : ارے ہاں، یادھرجی چلے گئے کیا؟ میں تو کہنا ہی بھول گیا۔ رات کی اسپیسل کے آنے جانے کے وکھت رستے پر مشالچی کھڑے رکھنے ہیں۔ ان میں نارن کا بھی نام ہے۔ آٹھ آنے ملیں گے۔

رام چرن : کائے کا نام!

کال بوائے : اسپیسل کے وکھت پر پوری لین پہ مشال لے کر کھڑے ہونے والوں میں وہ بھی رکھا گیا ہے۔ جو کچھ میں نے سنا ہے وہی کہ رہا ہوں۔ ٹیشن پر سے فون میں کہا گیا ہے

رُکھی : کیا بات ہے بھیّا جی؟

رام چرن: ارے کچھ نہیں، جاؤ، سارا دن تو وہ نوکری کرتا ہے۔ اب رات کو بھی نوکری؟
اور اس ٹھنڈی میں کیدھر کھڑا رہوے اور کیسے کھڑا رہوے؟ جاؤ تم۔

کال بوائے: مجھے کیا ــــ نہیں جائے گا تو ڈنڈ ہو گا۔ اکیلا نارنیا ہی تھوڑا جانے والا ہے!
اور بھی بہت سوں کا نام دیا گیا ہے۔

رُکمی: مگر کیوں دیا گیا ہے؟

کال بوائے: یہ تمھیں رام بھیّا ہی بتائیں گے۔ ٹیشن پر اُسے جلدی بھیج دینا۔
(کنوئیں کی طرف جاتا ہے اور وہاں ٹہلتا ہے)

رُکمی: یہ سب کیا ہو رہا ہے بھیّاجی! آج یہ گاڑی پر نیا روٹی کے گئے۔ ابھی روٹی بھی پکانی ہے۔ کب پکے گی اور کب جائے گی۔ نارنیا تو ویٹنگ روم میں پنکھا کھینچے گیا ہے۔ موؤں کو اس سردی میں بھی آگ پھنک رہی ہے۔

کال بوائے: ایسا کیوں کہتی ہو؟ ارے اتنا ہے تو دو روپے بھی مل جاتے ہیں۔

رُکمی: بھیّاجی! روٹی کا ٹیم رہے گا کیا؟ میں پکا ڈالوں اور گاڑی پر پہنچ جائے۔

رام چرن: ہاں، سب ہو جائے گا نہیں تو میں لے جاؤں گا۔ ابھی گاڑی نکلنے کو دیر ہے۔

کال بوائے: (جاتے جاتے) رام رام بھیّاجی! دیکھو، اپنی پاپا دھرجی کی گائے ٹھکانے باندھ کر رکھنا نہیں تو رکم (رقم) کی بیچ ہاتھ سے جائے گی۔
(چلا جاتا ہے)

رام چرن: (تھوڑی دیر ٹھہر کر آگے بڑھتا ہے) او کال بوائے! اے کال بوائے! (آواز آتی ہے: کیا ہے؟) ارے جرا اِدھر آؤ۔ سنو تو! آج بہوت دیکھا تم اِدھر آیا۔ اب کی سے جو اِدھر آیا تو تمھاری گردن پکڑ کے اس کنوئیں میں ڈال دوں گا۔

کال بوائے: ہا۔ ہاہا۔ ہا۔ (ہنستا ہے) ٹھنڈے ہو جاؤ بھیّاجی، ٹھنڈے!

رام چرن: ارے ہنستا ہے بے وکوف! کنوئیں میں پھینک دوں گا۔

[کال بوائے لال بتّی ہلاتا ہوا ہنستے ہنستے چلا جاتا ہے۔ رام چرن غصّے میں بھرا ہوا اُسے جاتے دیکھتا رہتا ہے۔ پردہ گرتا ہے۔]

پہلا ایکٹ — دوسرا منظر

کردار : للّو، ڈابھئی، جیوی، جھنکھی، میل بھائی، غلام محمد، کال بوائے۔

رات کا وقت ۔ کارخانے کی باہری دیوار سے سٹی ہوئی راہداری۔ کالا پردہ۔ (تاکہ اس منظر کے دوران پہلے سین کے اندرونی منظر میں تبدیلی کر کے تیسرا سین دکھایا جا سکے) میل بھائی، للّو، ڈابھئی، غلام محمد وغیرہ کلینر ہیں جو میلے کچیلے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں ۔ دو بتّیاں آمنے سامنے جل رہی ہیں۔ ایک طرف ایک چراغ روشن ہے ۔

[سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ دو عورتیں ٹوکرے لیے داخل ہوتی ہیں ۔ اس عرصے میں انجن کی سوں ساں، سیٹی اور پہیوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز تھوڑے تھوڑے وقفے سے آتی رہتی ہے]

للّو : میل بھائی نئیں آیا؟

ڈابھئی : آیا تھا، پر جرا دیر سے۔ مکادم نے ہاجری نہیں لگائی تو کرپاشنکر کے پاس لگوانے گیا ہے۔

للّو : یہ مکادم تو میل بھائی سے بڑا جلتا ہے۔ میل بھائی بچارا بھلا آدمی ہے۔ کسی کا بھی برا نہیں ہے ۔

ڈابھئی : بس یہی تو مصیبت ہے۔ ریلوئی میں بھلے مانس کا کیا کام ۔ جس دن سے میل بھائی نے پھورمین کے سامنے مکادم کی سکایت کی ہے، اُسی دن سے مکادم کھار کھانے لگا ہے اس کے دل میں کتنی کالک ہے یہ تو بھگوان ہی

جانے ۔ للّو تننگ ! تمھیں مکادم کے بارے میں کچھ معلوم ہے ؟

للّو : کیا ؟
ڈابھئی : ارے وہ تو عورتوں کے ساتھ بھی چھیڑ کھانی کرتا ہے ۔ گلام محمد کا ڈر نہ ہو تو نہ جانے کیا سے کیا کرتا پھرے ۔
للّو : ہاں، گلام محمد کے مارے تو اس کی پلّیاں دبتی ہیں ۔ گئے مہینے پگار کی تین پڑیاں اڑائے دے رہا تھا ۔ گلام کو کھبر ہو گئی اور وہ سیدھا اس کے سر پہ سوار ہو گیا ۔ ایک ہی ڈانٹ پلائی تھی کہ .....
ڈابھئی : کس کس کی پگار تھی ؟
للّو : ایک تو اپنے یادھرجی، دوسری زنییا کی اور تیسری رگھلی کی ۔ کل ملا کر پانسٹھ روپے تھے !
ڈابھئی : گلام محمد ہے کیسا بائلر جیسا ! پتّھر کی طرح ٹھوس ۔ سامنے والے کے ایک ہاتھ دھر دے تو دوسرے کی نوبت ہی نہ آئے ۔
للّو : اور اُس پہ بھگوان کا آدمی ۔ کم جور کو سہارا دینے والا !
(دونوں عورتیں نکلتی ہیں)
جیوی : کون کون بیٹھا ہے یہاں ؟ ارے للّو تننگ، ڈابھئی تم ؟ آ جھنکھی ! تھوڑی آگ تاپ لیں تب چلیں ۔ اتار لے ٹوکرا !
للّو : آؤ جیوی بہن، بیٹھو ! کچھ دیر سستا لو ۔ کیا کوئی گاڑی بھرنی باکی ہے ؟
جیوی : وہ تو سدا کی مصیبت ہے بھائی ! اسپیسل کی مارا ماری الگ ۔ بمبئی والی گاڑی نے پورے اسّی ٹوکرے کھا لیے ۔ تھوڑے ٹوکرے دوسری میں ڈالے ۔ ابھی میل گاڑی الگ بھرنی ہے ۔ ٹوکری پیچھے بہت بہت کر کے دو دھیلے ملتے ہیں اُن میں سے بھی مکادم کٹوتی کر لیتا ہے ۔
جھنکھی : ناس جائے اس موئے مکادم کا !
جیوی : اور تو اور اب وہ موا جھنکھی کے پیچھے پڑ گیا ہے ۔ کہتا ہے کہ پانچ روپے دو تو رگھلی کو کام پہ بلاؤں گا ۔ اب یہ بچاری پانچ روپے کہاں سے لائے ؟
ڈابھئی : اُس کا کیا ہے ۔ آگے ناتھ نہ پیچھے پگا ۔ بھگوان جانے اتنی ساری مایا کس کے لیے

جماکرر ہا ہے۔ جورو نہ جاتا، رام جی سے ناتا۔

جیوی : موئے کی جورو نہیں ہے اسی لیے تو گاؤں کی عورتوں کو تاکتا پھرتا ہے۔

جھنکھی : جورو تو ہے، پر اُسے نکال باہر کیا ہے۔ گھر والی کو ساتھ رکھ کے گلچھرّے کہاں سے اڑانے کو ملیں گے؟

للّو : جیسا کرے گا ویسا بھرے گا! ہم نے ایسا نیچ آدمی آج تک نہیں دیکھا۔

جھنکھی : کتّے کی موت مرے گا، کتّے کی! آج کے میرے یہ بول یاد رکھنا، موئے کے مردے پر کوئی لوٹا بھر پانی ڈالنے والا بھی نہ ہوگا!

جیوی : چل اٹھ مائی۔ اُس گندے آدمی کی بات کر کے ہم کیوں اپنا منہ گندہ کریں؟ ابھی تو ہمیں ناس پیٹی گاڑیاں بھرنی ہیں۔ رات ڈھلتی جارہی ہے۔

ڈابھئی : گاڑیاں تو تھوڑی دیر میں سیٹی مارنے لگیں گی۔

جھنکھی : اچھا ہم تو چلتے ہیں!

للّو : پھر ملیں گے جیوی بہن!

جیوی : جرور، جرور! (دونوں جاتی ہیں)

ڈابھئی : للّو تسنگ! اس کڑکڑاتی ٹھنڈ میں عورتوں کی رات پالی کی نوکری۔ بھگوان کسم یہ تو بڑا جُلَم ہے!

للّو : کیا کریں بچارئیں؟ سب کو اپنے اپنے پیٹ کی لگی ہے!

میل بھائی : ہے رام!

[میل بھائی اور غلام محمد آتے ہیں۔]

ڈابھئی : میل بھائی، کیا بہت تھک گئے؟

میل بھائی : ٹن ٹیبل پر گاڑی پھیرنے کا کام۔ باکی کا گلام بھائی سے پوچھ لو۔

غلام محمد : کیا پوچھو! اس مکادم کے بچّے کو ایک روج ندی پہ لے ہی جانا پڑے گا۔

للّو : کیوں بھئی؟ کیا کوئی نئی مصیبت اُٹھ کھڑی ہوئی؟

غلام محمد : مصیبت کیا؟ لگتا ہے اُس کے دن بھر گئے ہیں۔ حرام کھور نے تھوڑی دیر پہلے یادھرجی کو مارا۔ میں تھا، نہیں تو اور نہ جانے کیا کرتا۔ انڈر ریسٹ رہتے ہوئے یادھر کام پر کس طرح جائے گا بھلا؟ سالی اسپیسل گئی جہنّم میں۔

بچارے نے جرا جیادا تیل مانگ لیا۔ سالی گاڑی پوری کی پوری کو پر براس!
اسٹیم لیک ہو، واکیوم ٹوب برابر نہیں، بادھر بھی کیا کرے؟ پھر بھی بچارا
جانے کو تیار ہو گیا۔ تو بھی اس کو مارا!

میل بھائی: سالے نے رنگین پانی پیا نہیں کہ ہاتھ چلنے لگے۔ آنکھیں تو دیکھنے کے کابل!

غلام محمد: آنکھیں ہی کیا! منہ اور جبان کا کون ساٹھکانا رہتا ہے! میں تو اس کی
آنکھیں دیکھ کر ہی پہچان گیا تھا۔

میل بھائی: گلام بھائی کو دیکھا نہیں کہ ایک دم ٹھنڈا!

غلام محمد: ٹھنڈا نہیں ہوتا تو آج چیر کے رکھ دیتا (ہنس کر) سالا نہیں تو......
(کھڑے ہو کر اداکاری کرتے ہوئے) میں یوں جاؤں تو سالا یوں پیچھے ہٹے۔
ارے گاڑی کا چکا جیسا تو مگج پھرتا ہے اُس کا! (بیٹھ کر) لے بھائی! نکال
اپنی پوٹلی، پیٹ کی کچھ پھکر کرے گا کہ نہیں؟

ڈابھئی: تو کیا تم لوگوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہے؟

غلام محمد: کیسے کھاتے؟ آٹھ بجے سے جُتے ہوئے ہیں۔ دو دو گاڑیاں پھرانی۔ بس
سالے ٹن ٹیبل کے چکر ہی لگاتے رہو۔

للّو: ایک گاڑی تو دس بجے پھرائی، دوسری کون سی ہے؟

غلام محمد: ارے ابھی وہ اسپیسل بھی تو رہ گئی ہے: ٹوٹوئنٹی نائن۔ اور وہ سالا
ٹن ٹیبل بھی جام ہو کر رہ گیا ہے۔ تھوڑا بھی کھسکتا نہیں!

(کھانا کھانے لگتا ہے)

میل بھائی: یہ اچار لو گلام بھائی!

غلام محمد: بس بھائی! مجھے جیادا تیکھا مت کھلاؤ۔ بھیجا گرم ہو گیا تو مکادم سے
مکابلہ ہو جائے گا۔

(سب لوگ ہنستے ہیں)

للّو: آج رات جھونکے نہ کھانے پڑیں۔

ڈابھئی: آج ہی کیا ہر رات کو! روج کوئی نہ کوئی نئی بات لگی ہی رہتی ہے۔ آج تو
فورمین نے ٹیچر یہیں رکھوا لیا ہے۔

للّو : ہاں! ساب چار بجے تک یہیں سونے والا ہے۔

غلام محمد : سالا ڈرتا بھی کتنا ہے؟ بندوق ساتھ میں رکھ چھوڑی ہے۔ سُسرے پر ایک ہاتھ پڑ جائے تو ساری پسلیاں کوئلے کی طرح راکھ ہو کر رہ جائیں۔

میل بھائی : روٹی کھاؤ گلام محمد روٹی! اس مردود کا نام لے کر کھانے کا مجامت کرکرا کرو۔

ڈابھئی : یہ بھی کوئی کارکھانہ ہے؟

غلام محمد : ارے بھائی! سب جگہ ایسا ہی ہے۔ میرا بھائی پیر محمد جو دراوری میں ہے وہ بھی اُس کے بارے میں یہی باتیں کرتا ہے۔ اس نے تو پوری لائن کے دراور کھانے اور کارکھانے دیکھ رکھے ہیں۔ ہر چھ مہینے اُس کی بدلی ہوتی رہتی ہے۔ تبھی تو وہ ساری لائن کا استاد بن گیا ہے۔ ایک ایک اسٹیشن، گریڈین، ندی نالے، برج، سگنل، سب کچھ اسے معلوم ہے۔ نوکری کا اتنا پکّا کہ کوئی دن بھی اس کے نام کے آگے ایک کالی چوکڑی یا نشان نہیں لگا۔ ساری گاڑیاں ریٹ ٹیم۔ ٹرافک کے دنوں میں گڈس آدر لوڈ آتی ہے پھر بھی لیٹ نہیں ہوتا۔ اتنا سب کچھ ہے مگر اُس کا گریڈ وہی بی، کلاس۔ آج کل رستم جی کو اے، کلاس دیے جانے کی بات چل رہی ہے۔

للّو : کون رستم جی؟ وہ چیتکبرا؟

غلام محمد : نہیں، رستم جی دھوجرا۔ ناگ جی، رستم جی اور میرا بھائی تینوں ایک ساتھ نوکری پہ چڑھے تھے۔ بچارا ناگ جی ابھی تک سنٹر میں ہی دھول پھانک رہا ہے۔

ڈابھئی : ناگ جی کا تو اکسیڈنٹ ہو گیا تھا نا؟

غلام محمد : کاہے کا اکسیڈنٹ وکسیڈنٹ؟ مجھ سے پوچھو۔ یہ سالے دراور سب ایک نمبر کے حرامی ہوتے ہیں۔ بتّی دیکھ کر بھی آگے گھس پڑا۔ اندھا تھا کیا، جو اتّی بڑی روک ٹیا ئی نہیں دی! ارے سالا کیس بنا دیٹی ہے۔ دراور کو بچا کر ناگ جی کو سسپنڈ کیا گیا ہے۔ اس گریب کی سنے بھی کون؟

(اندر سے آواز آتی ہے)

آواز : ارے او کلی مینو ..... ! گاڑی پھرانی ہے۔
غلام محمد : (چڑ کر) میت تو نہیں اٹھانی ہے نا! بیٹھو، چلے جائیں گے۔ اب کون سی گاڑی باکی رہ گئی ہے؟ جرا سانس لینے بیٹھے نہیں کہ جیکھم پکار پڑ گئی۔
ڈابھئی : میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آج رات دھادھم ہونے والی ہے۔
(آواز پھر سے آتی ہے)

آواز : او کلی مین لوگو...... !!
سب لوگ : اچھا، اچھا۔ سن لیا۔
للو : چلو بھئی چلو۔ نئیں تو ٹن ٹیبل تک پہنچتے پہنچتے آدھا میل ناپنا پڑے گا۔ یہ گاڑی تو انجن کے ساتھ ہے۔
غلام محمد : یہ بھی ٹھیک ہے بھائی۔ چلو، آج تو ساری رات گاڑی پھراتے پھراتے ہی جائے گی۔
کال بوائے : ارے یہاں کون کون بیٹھا ہے؟ سنائی نہیں دیتا کیا؟ چلو گاڑی پھرانی ہے۔
غلام محمد : سب سن لیا! چلاّ ؤ مت! گاڑی پھرانے کی ہے تو پھرائیں گے۔ پہلے ٹن ٹیبل میں جرا سا تیل ڈالنے کو بولو۔ ایک دم جام ہو گیا ہے۔
کال بوائے : وہ اسٹور والے کو بولو۔ ام کو مت بولو۔
غلام محمد : ابے الو کے پٹھے! تیرے مگج میں کیا بہت چربی چڑھ گئی ہے؟
[پکڑنے جاتا ہے مگر کال بوائے بھاگ جاتا ہے۔ سب لوگ چلے جاتے ہیں۔ اندھیرا ہوتے ہی کالا پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔]

پہلا ایکٹ ــ تیسرا منظر

کردار : جونس، اسٹینلی، نارن، مسافر، اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر، ڈیوڈ، نوکر، کیرنج صاحب، بھوان سنگھ، چائے والا، مُرکھی۔
وقت : آدھی رات۔ جگہ : ڈئینگ روم۔ فرنیچر : میز، کرسی، بتّی، کلاک، سب ایک ہی ساخت کے۔ ٹھیکے کا مال۔

[ایک مسافر سامان کے ساتھ آتا ہے۔ قلی سامان رکھ کر چلا جاتا ہے۔ نارن ایک کونے میں بیٹھا اونگھ رہا ہے۔ سردی کا موسم ہے اس لیے نیچے بند ہیں۔ ایک دیسی صاحب پیلا نیکر اور قمیص پہنے آرام کرسی پر دراز ہے۔ دھیرے دھیرے سبھی صوفے پُر ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں جونس آتا ہے۔ اس کے بدن پر انجن پر جانے والے کپڑے ہیں۔]

جونس : (داخل ہوتے ہوئے) بلڈی کولڈ ! ڈیم ! ہلّو اسٹینلی !

اسٹینلی : ہلّو جونس ! یو گوئینگ لائن ؟

جونس : یس ! بلڈی گڈز، واٹ یُو ڈُوئینگ ؟

اسٹینلی : گوئینگ ہوم، آن لیو، مَین !

[اس گفتگو سے سوئے ہوئے مسافروں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔ وہ گردن اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر اوڑھ لپیٹ کر سو جاتے ہیں۔]

جونس : اے چھوکرے ! یول ہَیوٹی ؟ آن جا دُو کپ چار بولو۔ یس اسٹینلی ! کیوں، دیس جاتا، ایں ؟ ہمارا ایک کام کرنا، بولو، تم کائے کو جاتا ؟

اسٹینلی : یس، جرور، ام جاتا اے گراؤنڈ ٹربل، بلڈی نیبر!
جونس : کہاں، اپنا گاؤں میں؟ یس، کون وہ لکسمن؟
اسٹینلی : یس لکسمن، کورٹ میں کیس لگایا ہے اس نے۔ یو نو آور ہاؤس۔ دیٹ بلڈی پیسیج —— مڈل وَن۔ مائی اینڈ ہز ہاؤس۔ وہ جور ستا ہے نا؟
جونس : یس، یس، پیٹی ——
اسٹینلی : ہی سیز دیٹ بلڈی پیسیج اِز ہز۔
جونس : او بلڈی نیگر! یو گو بابے فرسٹ۔ پے ہے ——
اسٹینلی : یس، مین۔
جونس : ہمارا ایک ورک ہے۔ براؤن کو بولو ہمارا ٹی پائے ابھی تک کیوں نہیں بھیجا؟ لِوسی مین! وہ ہمارا ٹی پائے۔ تو ڈی۔ ایل۔ اُس نے دیکھا، بس خلاص، بلڈی! سیز آئی وانٹ اِٹ۔ بس خلاص، تو شاپ کارپنٹر کی پاس بھیجا۔ ابھی پیچھے نہیں آیا۔
اسٹینلی : دِس ڈی۔ ایل۔ او —— نائس مین —— ہُم ——
جونس : واٹ نائس! بلڈی اسٹرونگ، ٹین منٹ لوز ٹائم، بلڈی رپورٹ بس خلاص۔ فور مین سیز ہی ڈونتھنگ۔ بس خلاص۔ ہیو اسموک مین؟
اسٹینلی : تھینکس مین! اے چھوکرے! یو آرڈرٹی؟ بولو چار، جلدی لاؤ۔ (نارن جاتا ہے) بلڈی ٹی مین!
جونس : کم ایلانگ اسٹینلی! یو نو، یہ چھوکرے کا مدراچھا ہے۔ بلڈی فائن!
[ایک مسافر دیسی پوشاک میں سامان اٹھائے ہوئے آتا ہے۔ وٹینگ روم میں جگہ نہیں ہے اس لیے کھڑا رہ کر دیکھتا رہتا ہے۔]
اسٹینلی : آئی سی، رِیلی؟
جونس : یس۔ بلڈی گڈ ڈَن۔ آج اِدھر جھگڑا ہو گیا۔ بلڈی ہی ہی ہی ......
[کھلکھلا کر ہنستا ہے جس سے مسافروں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔ دیسی مسافر آتا ہے اور جس کرسی پر جونس پاؤں رکھے بیٹھا ہے، وہ مانگتا ہے۔]
جونس : ساری! ہم سوتا ہے۔ جاؤ، کرسی نہیں ملے گا ——

مسافر : مگر اور کہیں جگہ بھی تو نہیں ہے!
اسٹینلی : گوٹو بلڈی ہیل! ہم کیا کرے؟ یہ سکنڈ کلاس ویٹنگ روم ہے ــــــ
مسافر : ہاں، ہاں! میں بھی جانتا ہوں ۔ میرے پاس بھی سیکنڈ کلاس کا ہی ٹکٹ ہے۔ کرسی نہیں دوگے تو میں اسٹیشن ماسٹر سے جاکر کہوں گا ۔
جونس : ہشت! گوٹو ہیل آئی سے! یس، چھوکرے! اے چائے کدھر ہے... بلڈی؟

[چائے والا چائے لے کر آتا ہے ۔مسافر غصّے میں باہر جاتا ہے]

اسٹینلی : بلڈی انڈین! نو منیرس ایٹ آل ۔کم الانگ اسٹینلی، شوگر! ٹو، تھری؟ بوائے، بوائے! (چائے پیتا ہے) اے! کیکس کدھر ہے ــــــ ڈیم! کیکس کے لیے بولو ۔ جاؤ، بھاگو!

[اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر اور مسافر آتے ہیں]

اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر: (بدمزاجی سے) کیا ہے بھائی؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟ سالے اسٹیشن ماسٹروں کی تو موت ــــ
مسافر : تم ہی بتاؤ کہاں سوئیں ۔ یہ ایک کرسی ــــ
جونس : ہلو اسٹیشن ماسٹر! یو آن ڈیوٹی! کیوں، کیسا ہے؟
اسٹیشن ماسٹر: یس، اچھا ہے ــــ ہلو اسٹینلی ۔ آن ڈیوٹی ٹِل تھری، تین بجے گھر کو جائیں گے۔ ساری رات نہ یہاں کی نہ گھر کی ۔
مسافر : مگر ہم کہاں بیٹھیں ــــ کہاں سوئیں؟
اسٹیشن ماسٹر: میری گود میں! جگہ نہیں ہے تو میں کیا کروں؟ تمھارے لیے پلنگ تیار کرنے بیٹھوں کیا؟
مسافر : مگر یہ صاحب لوگ بلا وجہ دو کرسیاں گھیرے بیٹھے ہیں ۔ایک کرسی دے دینے میں کیا مضائقہ ہے؟
ایک اونگھتا ہوا صاحب: (اٹھ کر) یو ڈیم! کتنا آواز کرتا ہے ــــ سونے دو ہم کو ۔
اسٹینلی : ہلّو ڈیوڈ! یو بیٹر!
ڈیوڈ : ڈیوٹی، بلڈی ڈیوٹی! گوئنگ لائن ۔

اسٹیشن ماسٹر: ارے مسٹر ڈیوڈ، تمھارا وائر تھا! ہوم لائن ٹیلی فون بھی گڑبڑ اپڑا ہے۔
ڈیوڈ : بی بلون بلڈی فون اینڈ ہوم لائن! اچھا — ٹرین کا ٹائم پر جگاؤ۔
مسافر : مگر ماسٹر صاحب! یہ سارا ویٹنگ روم ریلوے کے نوکروں سے ہی بھرا ہوا ہے پھر مسافر کہاں جائیں گے؟
اسٹیشن ماسٹر: جاگتے رہیں مسافر، اور کیا؟ کیا سوتے ہوئے آدمیوں کو گھسیٹ کر باہر نکال دوں؟
مسافر : مگر قاعدہ کیا کہتا ہے؟
اسٹیشن ماسٹر: قاعدہ؟ ہونہہ! ریلوے اور قاعدہ؟
(نوکر آتا ہے)
نوکر : ماسٹر صاحب! فون پر کوئی بلاتا ہے۔
اسٹیشن ماسٹر: لو دیکھو ماسٹر کے اوتار کو! اب تم لوگوں کا معاملہ سلجھاؤں کہ اُس فون والے کو جواب دوں۔ (تیزی سے چلا جاتا ہے)
مسافر : بھاڑ میں جائے۔ پیسے خرچ کرو تب بھی آرام نہیں ملتا۔
(باہر سے گھنٹے کی آواز آتی ہے)
اسٹینلی: بلڈی لائن کلیئر۔
جونس : یس، یو لیبولیٹ —— اسٹینلی؟
اسٹینلی : ٹو ففٹین۔
جونس : اوو! ہم ایک گھنٹہ سوئے گا۔ اے چھوکرے! یہ سب لے جاؤ، بولو۔
[ٹرے میں دو آنے ڈالتا ہے۔ کیرج اسٹاف کا ایک نوکر ہاتھ میں ہتھوڑا لیے آتا ہے اور ایک سوئے ہوئے آدمی کو جگاتا ہے]
نوکر : کیرنج ساب! کیرنج ساب!
کیرنج صاحب: کیا ہے —— سالا کون ہے؟
نوکر : ساب! ساہب کا سلون سِک ہو گیا ہے۔ وہ دیکھنے کا ہے۔
کیرنج صاحب: سالا کھڈّے میں گیا وہ سلون (آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھتا ہے) کون، جونس ساب! گڈ نائٹ۔ کدھر جاتا؟

جونس : ارے بھوان سنگھ! کیا تم نائٹ میں ہو؟ ام گڈس جاتا۔
بھوان سنگھ : ہاں، نائٹ میں ہوں۔ یہ دو گاڑی نکال کے ذرا نیند لینے کو ادھر آیا تو یہ نیا لفڑا آ گیا۔
جونس : ارے ابھی تم ویکیوم برابر نہیں دیکھتا ــــ اور رستے میں ہم لوگ بہوت حیران ہوتا ــــ
بھوان سنگھ : ہم کیا کرے۔ دیکھتا تو برابر ــ مگر (پگڑی باندھتے ہوئے) ہوس پائپ لیکنگ رہتی۔ اچھا، آتا ہوں یہ سلون دیکھ کر۔ گڈ نائٹ۔
[مسافر بھوان سنگھ کی جگہ پر آہستہ سے بیٹھتا ہے۔ اور اس کے چلے جانے کے بعد اُس کا بستر لپیٹ کر اپنا بستر لگا کر لیٹ جاتا ہے۔]
اسٹینلی : ابھی تم کو جگہ ملی۔
جونس : وہ کیرج اگزامنر ہے۔ ابھی آئے گا تو تم کو اٹھائے گا۔
مسافر : اٹھائے گا کیا ــ رات کی نوکری کرتا ہے یا مذاق۔ وٹینگ روم ریلوے کے نوکروں کے سونے کے لیے نہیں بنا ہے۔
اسٹینلی : ڈونٹ باور! بلڈی اڈیٹ!

(چائے والا آتا ہے)

چائے والا : ساب دوسرا دو آنہ دو۔
جونس : کیا؟
چائے والا : اسپیسل چار کا، دو کوپ کا چار آنہ ــــ
جونس : چلے جاؤ، بلڈی فول! اکیس بھیجا نہیں اوپر سے جیاستی پیسا مانگتا! یہ لوگ بہوت بدماش ہے۔
چائے والا : مگر ساب، دو کوپ کا چار آنہ ہی تو ہوتا ہے۔
جونس : جاؤ بلڈی! اپسنجر کو ایسا ستاتا ہے؟
چائے والا : ساب کائدہ ہے۔
جونس : ڈیم یو بلڈی، کائدہ بتاتا؟ اے! کیٹرنگ انسپکٹر کون ہے؟
اسٹینلی : یس، کال ہم!

چائے والا: ساب!
جونس : بلڈی سوا.... تن!
[دھکا دے کر باہر نکال دیتا ہے۔ چائے والا بڑبڑاتا ہوا چلا جاتا ہے]
دیز بلڈی انڈینس! ایس اسٹینلی! تو یہ لکسمن کا کیا جھگڑا ہے؟ اُس پسیج کا یا اور دوسرا کچھ ہے؟
اسٹینلی : نہیں معلوم تم کو؟ لکسمن ریلیٹو کلیم کرتا ہے۔ وہ بولتا اس کا باپ کا باپ اور اپنا فادر کا کچھ ریلیشن ہے۔ تو جوائنٹ پراپرٹی بولتا۔
جونس : بلڈی فنی! اُس کو وکیل کی نوٹس دو۔
[باہر اسٹیشن پر گھنٹہ بجتا ہے اور دھیرے دھیرے دور سے ریل گاڑی آنے کی آواز سنائی دیتی ہے]
اسٹینلی : اوہ بلڈی ٹرین! آل رائٹ، گڈ نائٹ۔ یور گڈس آفٹر وَن آور۔
جونس : گڈ نائٹ! اسٹینلی، گڈ نائٹ۔
اسٹینلی : چیئر یو!
[باہر جاتا ہے۔ دوسرے دو تین آدمی بھی اٹھ کر باہر جاتے ہیں۔ گاڑی دھیرے دھیرے قریب آتی ہے۔ دروازے میں سے گاڑی کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ باہر چہل پہل کا احساس ہوتا ہے۔]
جونس : (سوئے ہوئے مسافر سے) اے پسنجر! تم نہیں جانے والا ——
مسافر : نہیں، میں اُس طرف کی گاڑی سے جاؤں گا۔
جونس : اوہ! (سونے کی تیاری کرتا ہے۔ قریب رکھی پیٹی میں سے وہسکی کی چھوٹی بوتل نکالتا ہے۔ پھر نارن سے مخاطب ہوتا ہے) اے چھوکرے! جاؤ ایک گلاس سوڈا لے آؤ۔ لو یہ پیسہ۔ (نارن جاتا ہے)
[تھوڑی دیر بعد رُکھی اندر جھانکتی ہے]
رُکھی : (آہستہ سے) نارن! نارن!
جونس : اے! کون ہو تم! اِدھر کیوں آیا؟
رُکھی : ہائے رے موا جونس! (چیخ کر باہر چلی جاتی ہے)

جونس : اے! اے!

[اے اے کرتا ہوا بوتل چھپانے کی کوشش کرتا ہے پھر باہر جاتا ہے تھوڑی دیر میں نارن سوڈا لے کر داخل ہوتا ہے۔ فوراً ہی رُکھی بھی آ جاتی ہے۔]

رُکھی : نارن! تیرا باپ کہاں ہے؟

نارن : ماں، وہ اس گاڑی سے نہیں جائے گا۔

رُکھی : پھر؟

نارن : ایک گھنٹے بعد والی گڈس میں۔

رُکھی : لے یہ روٹی کی پوٹلی۔ اپنے باپ کو دے دینا، سمجھا؟

نارن : اچھا ماں!

رُکھی : تیرے باپ کے ساتھ درا ور کون جائے گا؟

نارن : جونس ساب۔

رُکھی : ستیاناس! یہ مردار کہاں پلّے پڑ گیا۔ سرابی موا! یہ اُسی کا گلاس ہے نا؟

نارن : ہاں اُسی کا ہے۔ ماں تو اِدھر ہی رہنا۔ آج جونس ساب میری جان ہی لے کر رہے گا۔

رُکھی : اچھا بٹیا، میں اُدھر نل کے پاس بیٹھتی ہوں! اُس کے جانے کے بعد چلے آنا۔ اکٹھے گھر جائیں گے۔

نارن : پانچ بجے سے پہلے وہ یہاں سے ٹلنے والا نہیں ہے!

رُکھی : ٹھیک ہے۔ میں تب تک بیٹھی رہوں گی۔ تو آ جانا۔

(جونس داخل ہوتا ہے)

جونس : اے وٹینگ روم میں کیا کھٹ پٹ کرتا ہے، یو بلڈی نیگر؟ اندر کائے کو آتا؟ باہر جاؤ۔

(رُکھی فوراً باہر چلی جاتی ہے۔ جونس نارن کے ہاتھ میں دبے ہوئے گلاس سے سوڈا انڈیل لیتا ہے پھر اُس سے کہتا ہے) تم بھی باہر جاؤ ڈیم!

[بوتل میں سے تھوڑی سی شراب نکال کر سوڈا ڈالتا ہے اور پینے لگتا ہے]

چھوکرے! او چھوکرے! (نارن آتا ہے) دیکھو! ہم کو تین بجے جگاؤ اور ماسٹر کو

بولو نیا ڈپٹی آئے گا، ڈیوٹی چینج ہوگی، اس کو بھی بولو۔ اور ہم کو ستاؤ مت۔

نارن : اچھا ساب!

جونس : وہ تمھاری ماں کدھر گئی؟ لیٹتے لیٹتے) ٹرلالا .... لالالا .... لالالالا ....
یو بانی لاسی .... ای ای .... ائی چھوکرے! بتی بجھاؤ۔
(نارن آکر بتی بجھاتا ہے) ٹرلا لا لا ....

[باہر گاڑی دھیرے دھیرے روانہ ہو جاتی ہے۔ جونس اونگھ جاتا ہے
تھوڑی دیر میں کسی کے اندر داخل ہونے کی آہٹ ہوتی ہے]

بھوان سنگھ : (زور سے) ہمارا بستر پہ یہ کون سوتا ہے ــــ اٹھو۔

مسافر : کیا ہے ــــ کیا بات ہے ــــ کیا گاڑی آ گئی؟

جونس : (چونک کر) چھوکرے ... چھوکرے .... بتی لگاؤ! انجن فیل ہو گیا!

[نارن دوڑ کر آتا ہے اور بتی روشن کرتا ہے۔ بھوان سنگھ مسافر کو جھنجھوڑ
کر اٹھاتا ہوا نظر آتا ہے]

مسافر : آخر بات کیا ہے؟ کیوں جان لینے پر تلے ہوئے ہو؟ ریلوے کے نوکر ہو کر
مسافروں پر اتنا ظلم کرتے ہو؟ اتنی بہت سی جگہ پڑی ہے تب بھی اسی جگہ
سونے کی سوجھتی ہے!

جونس : ڈیم دِس نوائز۔ چھوکرے! اسٹیشن ماسٹر کو پوچھو کتنا ٹائم ہوا؟

بھوان سنگھ : سارے میں اندھیرا کر دیا ــــ تو میں ــــ

مسافر : بتی جلا کر تو دیکھنا تھا۔

جونس : (خوب زور سے چلّا کر) شٹ آپ! یو فو..... ل۔

[پردہ گرتا ہے]

دوسرا ایکٹ — پہلا منظر

کردار : اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر، ایک آدمی، دوسرا آدمی، راملا، رکھی، گوراصاحب، ہرگووند، دیال جی، عبدالکریم، ہرجیون، ایک اسٹال کیپر، مانک شا، اور دوسرے آدمی۔

وقت : دوپہر کا۔ مقام : اسٹیشن ماسٹر کا دفتر۔ لوگوں میں مسافر، شہری باشندے، گاؤں والے وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر جو پہلے سین میں آیا تھا وہ نہیں بلکہ دوسرا ہی ہے۔

[اسٹیشن ماسٹر کا دفتر۔ ایک میز وسط میں اور دوسری میز ایک طرف بچھی ہوئی ہے۔ اسٹول، کرسی، میز وغیرہ ویسے ہی دبیز اور مضبوط جیسے کہ عام طور پر ریلوے میں ہوتے ہیں۔ سامنے کے دروازے کے باہر پلیٹ فارم تصور کرلیا جائے۔ بازو کی دو کھڑکیاں آدھی کھلی اور آدھی بند ہوں۔ ایک طرف ٹکٹ کھڑکی اور دوسری طرف کنٹرول کا فون ہے]

اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر : (بہت مصروف دکھائی دیتا ہے) تمھارا کیا ہے بھائی ؟ کیوں جان کھا رہے ہو ؟

ایک آدمی : ساہیب! ہمارا ٹوکرا نہیں آیا۔ رسید تو کل کی آئی پڑی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر : تو میں کیا کروں! کیا تمھارا ٹوکرا میں لاد کے لانے والا تھا جو مجھ سے پوچھتے ہو! نوکری کروں یا تمھارا ٹوکرا ڈھونڈھتا پھروں؟ آج نہیں آیا تو کل آجائے گا۔ ارے کوئی ہے؟ او بے اِسریا! کہاں مرگیا۔ لے یہ کاغذ کیرتج

والے کو دے آ۔

پہلا آدمی: مگر ساہیب! اُس ٹوکرے میں فروٹ ہیں - بیمار آدمی کے لیے منگوائے ہیں ـــــــ

اسٹیشن ماسٹر: تو کیا ریلوے تمھارے بیمار آدمی کے لیے چلتی ہے؟ فروٹ ہیں تو دو دن دیر سے آئیں گے یا پھر کوئی رستے میں ہی کھا گیا ہوگا۔ برابر پیک نہیں کیے ہوں گے۔

دوسرا آدمی: (آتا ہے) ساہیب!

اسٹیشن ماسٹر: تم پر کیا آفت آئی ہے؟

دوسرا آدمی: رات کی گاڑی میں ریزروڈ چاہیے۔

اسٹیشن ماسٹر: چلے آتے ہیں جان کھانے۔ لگتا ہے ہم لوگ ان کے باپ کے نوکر ہیں۔

دوسرا آدمی: کس سے کہہ رہے ہو ماسٹر؟

اسٹیشن ماسٹر: ارے بھائی تم سے نہیں کہتا ہوں۔ گرم مت ہو۔ بولو کیا بات ہے؟

دوسرا آدمی: رات کی گاڑی میں دو سیکنڈ اور ایک تھرڈ ریزروڈ چاہیے۔

اسٹیشن ماسٹر: اس طرح ریزروڈ نہیں ملے گا۔ چوبیس گھنٹے پہلے کہنا پڑتا ہے۔ اس وقت آؤ گے تو کیسے چلے گا؟ تھرڈ ریزروڈ سے کیا مطلب ہے تمھارا؟ کتنی ٹکٹیں ہیں؟

دوسرا آدمی: آٹھ۔

اسٹیشن ماسٹر: نہیں چلے گا۔ دس ٹکٹیں ہوں تبھی تھرڈ مل سکتا ہے۔ میرے بھائی، قاعدہ جانے بغیر کیوں حیران کرتے ہو؟

(چپراسی کسی کا تار لاتا ہے)

کیا مصیبت ہے بھئی؟ (تار پڑھتا ہے)

دوسرا آدمی: ماسٹر! ہمیں کیوں دیر کرواتے ہو؟

اسٹیشن ماسٹر: تو کیا کیا جائے؟ نوکری کریں کہ تمھارے ساتھ گپّیں مارتے رہیں؟ خود ہی دیکھ رہے ہو، کیا میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں؟ ابے او اِسریا۔ راملا! کوئی نہیں؟ کہاں مر گئے جا کر؟

(ایک نوکر آتا ہے)

جا! کیرِج والے سے کہہ، سلون نمبر بیالیس (بیالیس) تھری فورٹی نائین ڈاؤن کے ساتھ جائے گا۔ اور سُن بے! کیرِج والے سے کہنا کہ لائٹ بائٹ، پنکھے وغیرہ سب ٹھیک کر کے رکھے! نہیں تو بعد میں مصیبت ہوگی! سالوں کے نخرے کیا کچھ کم ہیں۔ یہ صاحب تو اور بھی زیادہ تیکھا ہے۔ سُن لیا نا؟

(فون کی گھنٹی بجتی ہے)

کیوں، اب تجھے بھی زکام ہوا؟ دیکھو، اب تم ہی دیکھو! ملتی ہے ذرا سی بھی فرصت! (جاتا ہے) ہلو! یس! فور ٹوئنٹی ٹو نکلی! ٹھیک ہے، آنے دو! ہاں طویلہ کھلا ہوا ہے۔ کون؟ رننگ لیٹ؟ خود مرے گا سالا، ہمیں کیا؟ ٹھیک ہے۔

(واپس آکر بیٹھ جاتا ہے)

دوسرا آدمی: اچھا صاحب، دس ٹکٹ لے لوں گا، دو زیادہ خرید دوں گا، تب تو ریزروڈ دو گے؟

اسٹیشن ماسٹر: ہوں! دو ٹکٹ ریلوے کو کھلاؤ گے تو کیا وہ تمھیں کچھ انعام دے گی؟ ہمارے لوگ بھی کیسے ہیں!

دوسرا آدمی: تم ہی کوئی رستہ بتاؤ نا؟ کچھ بھی کر کے آج کے آج ریزروڈ چاہیے۔

اسٹیشن ماسٹر: ذرا تھم جاؤ بھائی، ابھی بتاتا ہوں۔ بیٹھ جاؤ۔ اے را ملا! سیٹھ کے لیے کرسی لے آ۔ کون جا رہا ہے رات کی گاڑی سے؟ بھولوائے جا رہے ہو؟

دوسرا آدمی: ہاں!

اسٹیشن ماسٹر: ہوں! تو بیاہ کر کے جا رہے ہو۔ ہمارے گاؤں کی چھوکری لے جا رہے ہو۔ بولو بھائی، تمھارا کیا ہوا؟ تمھارا ٹوکرا آیا کہ نہیں؟ بکنگ آفس میں دیکھا؟

پہلا آدمی: وہاں نہیں ہے، تبھی تو یہاں آیا ہوں۔

اسٹیشن ماسٹر: وہاں نہیں ہے تو کہیں نہیں ہے۔ اب کیا میں پیدا کر دوں تمھارا ٹوکرا۔ اب شام کو ہی خبر نکالنا۔

پہلا آدمی: ارے صاحب! خبر نکالنے کے لیے ہی تو اس گاڑی پر آیا ہوں۔

اسٹیشن ماسٹر : تو کیا وہ ٹوکرا میں اپنے سر پر لاد کر تمھارے گھر پہنچاؤں ؟ دیکھو بھائیو ! اس کا
ٹوکرا نہیں آیا تو میں کیا کروں ؟ کیا انجن لے کر جاؤں اور ٹوکرا لاد کر لاؤں ؟

(پہلا آدمی جاتا ہے)

اسٹیشن ماسٹر : بولو سیٹھ ! دیکھو دس کا لیبل لگائے دیتا ہوں ۔ ٹکٹ پیچھے ——

دوسرا آدمی : تو یوں کہو نا ! ٹھیک ہے ، مجھے منظور ہے ۔

اسٹیشن ماسٹر : تم سب سمجھتے ہو سیٹھ ۔ تمھارے جیسے سمجھ دار آدمی بہت کم آتے ہیں ۔ کوئی
کوئی تو ایسا آتا ہے کہ بس چھوٹتے ہی " اے ماسٹر ! قاعدے والی بات کرو ! "
لٹھ رسید کر دیتا ہے ۔ قاعدہ قانون کی بات کرنے لگتا ہے ۔ سالا ریلوے
کا قاعدہ ! یہاں تو پولم پول ہے ۔ جائے تو ہاتھی ، نہیں تو ایک سوئی کے لیے
مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں ۔ اچھا تمھارا معاملہ تو طے ہو گیا ۔ رات کے
بارہ بجے کی گاڑی ہے نا ؟ آل رائٹ ! کیا نام لکھوں ؟

دوسرا آدمی : رسک لال مانک لال سیٹھ (ایک نوٹ دیتا ہے)

اسٹیشن ماسٹر : ارے سیٹھ اینڈ پارٹی ، ٹھیک ہے ! معاملہ طے رہا ۔
(جلدی سے نوٹ جیب میں رکھ لیتا ہے)
صاحب ! ہماری ساری ریلوے چغل خوروں سے بھری ہوئی ہے ۔

دوسرا آدمی : اس کی فکر مت کرو ۔

اسٹیشن ماسٹر : نہیں ، نہیں ، تمھاری بات نہیں کر رہا ہوں ۔
(رکھی دروازے کے سامنے آ کر زور سے آواز لگاتی ہے)

رکھی : ماستر ساہیب ! او ماستر ساہیب !

اسٹیشن ماسٹر : کون ہے ؟ کھڑی رہو باہر ۔ سالے لوگ کہاں کہاں کے مارے کھدیڑے
یہاں چلے آتے ہیں ۔

دوسرا آدمی : اچھا بھائی ، مجھے اجازت دو ۔

اسٹیشن ماسٹر : او یس ۔ تھینک یو ۔ دو سیکنڈ (گنتے ہوئے) اور دس تھرڈ ۔ تم جھٹ ٹکٹ
ہی لینا ۔ میں گاڑی میں بٹھا دوں گا ۔

دوسرا آدمی : بعد میں آگے جا کر کوئی تکرار تو نہیں ہو گی ؟

اسٹیشن ماسٹر: نہیں میں گارڈ سے کہہ دوں گا۔ ٹھہرو، دیکھنے دو کون گارڈ ہے۔ (دیکھتا ہے) منجر شاگوٹلا! بس، بس۔ تم بے فکر رہو۔ جے رام جی کی! اور دیکھو گارڈ کے ہاتھ میں ایک دو نقد نرائن سرکا دینا۔

دوسرا آدمی: ٹھیک ہے۔ اچھا جے رام جی کی۔ (جاتا ہے)

راملا: شاب! باہر رُکھی کھڑی ہے۔ کچھ پوچھنا چاہتی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: کیوں بے! کیا وہ تیری کوئی سگی وگی لگتی ہے؟ یا تیرا اُس کا کچھ اور معاملہ ہے؟ سا.......

راملا: (ہنستے ہوئے) نہیں شاب! میں تو بڈھا ہو گیا۔ اب کیا! وہ تو کسی آگ والے کی عورت ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: پوچھ کیا چاہیے اُسے؟ کیوں سر کھا رہی ہے؟ آگ والے کی گھر والی یہاں کیا لینے آئی ہے؟ جائے لوکو کے کارخانے میں (راملا باہر جاتا ہے) ٹرانک میں کس لیے آئی ہے! سالے بھٹکنے والے! ہوگی کوئی بھنگن! ناتال کا نیگ لینے آئی ہوگی۔

راملا: شاب! وہ تو نارن کے بارے میں کہہ رہی ہے۔ اُسے نوکری پر سے کیوں نکالا گیا؟

اسٹیشن ماسٹر: کسے؟ نارن کو؟ ڈی ٹی ایس ساب سے جاکر پوچھے کیوں نکالا؟

رُکھی: (دروازے میں کھڑے ہو کر) ماسٹر ساہیب! پنکھے والے کی نوکری میں مسکل سے پانچ روپے ملتے تھے اُس میں بھی گریب کے پیٹ پہ کیوں لات ماری؟

اسٹیشن ماسٹر: اری اللہ! یہ کوئی میرے گھر کی بات ہے؟ ویسے بھی ٹھنڈی کے موسم میں سب پنکھے والوں کی چھٹی کرنا پڑتی ہے۔

رُکھی: مگر ساہیب! اُسے ویٹنگ روم میں چارج لوائے میں تو رکھو۔ آج تلک تو وہیں رکھا تھا ——

اسٹیشن ماسٹر: ہاں، مگر کیا تجھے پتہ نہیں کہ آج کل نکالا نکولی چل رہی ہے؟ ریلوے بچت کرنے پر تلی ہوئی ہے [illegible] پنکھے والوں کی چھٹی کی ہے۔

رُکھی : ہائے رام! پانچ رپّی کے لیے ریلوے بھوکی مری جاتی تھی؟

اسٹیشن ماسٹر: چل اب، بھیجہ مت کھا! راملا، اس سے کہ دے کہ تیرے بوتے اب کچھ نہیں ہونے والا - ارے موقع پڑنے پر ریلوے ہمیں بھی لات مار کر نکال باہر کرے گی، جانتی ہے؟

رُکھی : اچھا، ماسٹر ساہیب! دوسری کوئی جگہ کھالی ہو تو جرا نارن کا کھیال رکھنا۔ بڑی مہربانی ہوگی مائی ماپ!

اسٹیشن ماسٹر: اچھا، اچھا! دیکھوں گا۔ نوکری تو رستے میں پڑی پھرتی ہے نا؟

رُکھی : مائی باپ! تمھارے ہاتھ کی بات ہے۔ ماسٹر ساہیب، یہ ابھی تک نہیں آئے۔ کیا پھر کوئی گاڑی پھرنے والی ہے؟

اسٹیشن ماسٹر: یہ کون، کیا تیرا باپ؟

رُکھی : وہ .... بادھر جی!

راملا : شاب، اس کا دھنی آگ والوں میں گیا ہے، وہی۔

اسٹیشن ماسٹر: تو مجھے کیا خبر۔ جا، جا کے کارخانے میں پوچھ۔

رُکھی : ارے ساہیب! منہ اندھیرے سے وہاں کھڑی سوکھ رہی ہوں۔ کوئی بھوٹے منہ نہیں کبولتا کہ کب آئیں گے۔ کون سی گاڑی میں جانا ہے، اتنا پوچھ کر بتا دو۔

(اِسریا آتا ہے)

اسریا : دیکھنا ڈی ٹی الیس پلاٹ پر آگیا۔

اسٹیشن ماسٹر: جا، بھاگ جا، بعد میں آنا، بڑا آیا صاحب بن کر ....

رُکھی : مائی باپ! میرے نارن کا کوئی ٹھکانا ہو جائے تو بتانا ——

اسٹیشن ماسٹر: اچھا بابا، اب تو جا یہاں سے، نہیں تو بڑا صاحب مجھے تجھے دونوں کو کھا جائے گا۔

اِسریا! وہ ٹوپی اٹھا۔ یہ آفت کہاں سے آگئی؟ راملا! ذرا دھیان رکھ، یہ مصیبت کہاں کہاں جاتی ہے۔

راملا جاتا ہے۔ اسٹیشن ماسٹر تیار ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور کاغذ الٹنے پلٹنے

لگتا ہے۔ ایک گورا صاحب نیکر قمیص پہنے داخل ہوتا ہے۔ دروازے میں گھستے ہی)

گوراصاحب: ٹامی! ٹامی! اے۔ ائی! اس کو دیکھو برابر!

(یہ کہہ کر کتّے کو باہر ہی کسی کے سپرد کر دیتا ہے فوراً ہی کتّے کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس بیچ صاحب فون پر جاتا ہے]

اسٹیشن ماسٹر: [ایک دم کھڑے ہو کر) گڈ مارننگ سر!

[صاحب صرف گردن ہلا کر جواب دیتا ہے پھر فون پر انگریزی میں باتیں کرنے لگتا ہے۔ اُس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے۔ اس کے بعد غصّے میں دروازے تک ٹامی ٹامی کی آواز لگاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے۔ ماسٹر وغیرہ اطمینان کا سانس لیتے ہیں]

اسٹیشن ماسٹر: ہا..... ش!

راملا: یہ سسرا کیا گٹ پٹ کر گیا؟

اسٹیشن ماسٹر: اپنے باپ کو سال مبارک کر گیا۔ اب آٹھ دن تک فون پر "ہیپّی نیو ایئر" ہی چلتا رہے گا۔

راملا: باپ تو اس کا کبھی کا مر گیا، بہنوئی کو بولا ہوگا۔

اسٹیشن ماسٹر: تجھے کیا؟ بولا ہوگا اپنے کسی سگے کو۔ دیکھ تو یہ مصیبت کہاں کہاں گھوم رہی ہے۔

(راملا باہر جاتا ہے) کھڑی دوپہریا میں کہاں سے آن مرا؟ یہ بھی ایک آفت ہے۔

راملا: ایفا بنگلے کی طرف گیا ہے تساب ——! مڈم پاس۔

اسٹیشن ماسٹر: چلو چھٹّی ہوئی!

[میلا کچیلا موٹا ہاف کوٹ، میلی دھوتی اور مخمل کی گول ٹوپی پہنے ہوئے ایک موٹا آدمی داخل ہوتا ہے۔ اس کا نام ہے ہرگووند]

ہرگووند: سلام ماستر ساہیب!

اسٹیشن ماسٹر: اوہو ہو، ہرگودن! اتنے وقت؟ صاحب لوگوں کو ٹوکرے بھجوانے سے چھٹّی مل گئی۔

ہرگووند : ارے ساب! ان لوگوں کا پیٹ کیا کوئی ایک ٹوکرے سے بھرنے والا ہے؟
اسٹیشن ماسٹر: اچھا بول، گئے موسم میں تو تو نے بہت ترسایا۔ اب کے موسم میں کیا حساب ہے۔ اے! اسریا! را ملا! ذرا اسٹور والے کو چار کے لیے بول!
ہرگووند : نہیں، نہیں۔ چائے تو میں نے ابھی ابھی ——
اسٹیشن ماسٹر: بیٹھا رہ چپ چاپ۔ دن میں دس کوپ چڑھانے والا میرے ہی آگے صفائی پیش کر رہا ہے۔ (نوکر سے) ارے چار بولنے گیا کہ نہیں؟ (ہرگووند سے) ہاں اب بول!
ہرگووند : بس تمھاری مہربانی چاہیے، دوسرا کیا؟
اسٹیشن ماسٹر: ہماری مہربانی، کیوں؟ تیری تو زبان ہی نرالی ہے۔ اچھا بول اس بار کتنا مال ہے تیرے پاس؟
ہرگووند : تیس واگن تو مجھے ابھی کے ابھی چاہئیں۔ پہلی کھیپ کی گھاس لدوانی ہے۔ تیس پینتیس واگن کی ضرورت پڑے گی۔
اسٹیشن ماسٹر: ویگن پیچھے ہمیں کیا ملے گا؟
ہرگووند : کیسی بات کرتے ہو ماسٹر ساہیب! کیا کوئی برس تم کو بھلایا ہے؟
اسٹیشن ماسٹر: ارے بھائی! اس زمانے میں بھائی بھائی کا بھروسا نہیں۔ پتہ ہے ہرگون! آج کل کیا کاٹم کوٹی چل رہی ہے؟ سالے پچاس روپے کے ماسٹروں کی کٹوتی! بارہ ماسٹر نکالیں گے اور ولایت سے اپنے دو سگے لاکر ہمارے سر پہ بٹھا دیں گے، ہزار ہزار روپے پگار پہ! اس پہ بچت بچت چلاّتے پھرتے ہیں۔ (چائے آتی ہے)
ہرگووند : یہ بات تو ہے ساہیب!
اسٹیشن ماسٹر: لے چار پی۔ (اتنے میں دیال جی سلام کرتا ہوا آتا ہے) آؤ، آؤ دیال جی۔ ارے ایک کپ چار اور بول کر آ!
ہرگووند : ارے ماستر! تمھارے اس چائے والے کا اشتہار پڑھ کر بڑی حیرانی ہوئی! یہ سب کیا دھوکہ دھڑی لگا رکھی ہے؟
دیال جی : بھلے مانس! یہ تو ریلوے کا جادو ہے۔ اس وقت اسٹال پر سے ہی چلا

آرہا ہوں ۔ یہ کاغذ وہیں سے لایا ہوں ۔ ذرا دیکھو تو سسُر کے کیسے کیسے ہینڈ بل چھاپتے ہیں ۔

اسٹیشن ماسٹر: یہ کیا ہے دیال جی ؟ کیا کوئی نئی چیز لے کر آئے ہو ؟ ہا رے دیال جی کی انٹی سے کوئی نہ کوئی نئی چیز ضرور نکلتی ہے ۔ دوا کا اشتہار ، ناٹک کا پروگرام ، کسی کے بیاہ کا دعوت نامہ ، کچھ نہیں تو کسی کی تقریروں کی کتاب یا اخبار ، رسالہ ، دیال جی کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے ۔

دیال جی : ارے بھائی ، رات کے بعد دن نہ نکلے تو رات گذرے ہی کیوں ؟ سالی گاڑیوں کا ایسا ٹائم ہے کہ بیچ میں گھڑی بھر کو پلک نہیں جھپکا سکتے ۔ ساری گاڑیوں کے پہیئے ٹھونکو ، ہر گاڑی پر حاضری دو ۔ تو بھائی ۔ یہ چیزیں اسی لیے ساتھ رکھتا ہوں کہ دو گھڑی فرصت ملے تو ٹیم پاس ہو جائے ۔

ہرگووند : ہا ۔۔۔۔ ہا ! کتابیں پڑھنا بھی ایک شوق ہے ۔ لاؤ ، ہم بھی تو دیکھیں آج کیا لائے ہو !

دیال جی : تسلّی پکڑو بھائی ! جلد بازی نہیں چلے گی ۔ یہ لو نسوا نکالتا ہے) سونتا لگاؤ ۔ ہاں ، ماسٹر ، اوپر والوں نے جو آفت جوت رکھی ہے اُس کی تو تمھیں کچھ خبر ہی نہیں ہے ۔ لائن پر جتنے اسٹال ہیں ، سب کے لیے ایک انسپکٹر رکھا ہے ۔ فرسٹ کلاس کا پاس اور چار سو روپے پگار ملتا ہے ۔ اسٹیشن اسٹیشن گھومے سو الگ !

اسٹیشن ماسٹر: مگر وہ گھمکڑ کام کیا کرتا ہے ؟

دیال جی : اس خوانچے پر جالی لگاؤ ، یہ جلیبیاں باسی ہیں ، اس گنّے والے کو مت آنے دو ، اس کیلے والے کے کپڑے اچّھے نہیں ہیں ، بس دن بھر اِس کی اُس کی گانٹھ ڈھیلی کراتا پھرتا ہے ۔ چکھنے کے بہانے اپنی ناند بھرتا ہے سو الگ !

اسٹیشن ماسٹر: اس سالے کی تو ایسی کی تیسی !

دیال جی : ارے ایسی تیسی تو اپنی ! یہ ہینڈ بل دیکھو ! اس میں چاء کے گن لکھے ہیں ۔ (پڑھتا ہے) "چائے سے سردی مٹتی ہے اور گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتی ہے ۔

چار سے نمونیا، ٹائیفائڈ اور ملیریا بخار مٹ جاتا ہے، اس کے بعد چار تیار کرنے کی ترکیب لکھی ہے۔ کہو ساب لوگو! یہ چار والا اپنے وید ڈاکٹروں سے بھی دو جوتے آگے نکل گیا نا؟ میں پوچھتا ہوں، اتنے پڑھے لکھے لوگ ریلوے میں سفر کرتے ہیں، کیا سالے سب کے سب بے وقوف ہیں؟ اندھے سالے، روز گاڑی میں آتے جاتے ایسے اشتہار پڑھتے ہیں مگر کیا تم نے کبھی اخبار میں ایک سطر بھی یہ لکھی دیکھی ہے کہ کسی نے ان دھوکے بازوں کی خبر لے ڈالی ہو؟

ہرگووند : ان بے کار باتوں پر دھیان ہی کون دیتا ہے؟

دیال جی : کائے کی بے کار باتیں؟ اپنے غریب لوگ ایسے کاغذ پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کے جھانسے میں آجاتے ہیں کہ لاؤ ایک آنے میں بخار اتر جائے گا اور بدن میں پُھرتی آجائے گی۔

اسٹیشن ماسٹر : مگر چار کی اتنی تعریف کی وجہ؟

دیال جی : ہاں، یہی تو اصلی بات ہے! سالی ریلوے تو ہے ایک نمبر کی چوٹٹی! پوری ریلوے پر بروک بانڈ کا ٹھیکہ ہے! دوسری کوئی چار استعمال نہیں ہو سکتی۔ اسٹال والے کو بلا کے پوچھ دیکھو۔ وہ یہی کہے گا کہ بروک بانڈ استعمال نہیں کرے گا تو اُس کا پتہ صاف ہو جائے گا۔ اصل میں بروک بانڈ والے اور انسپکٹر دونوں کا میل کھاتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سالا انسپکٹر ہر ایک کو اپنے یار کے ڈبّے تھماتا پھرتا ہے۔ ماسٹر صاحب! ہماری تمھاری قسمت میں سات پیڑھی تک یہی چار رپّی بیگار لکھی ہے۔ مگر اس انسپکٹر کے بچّے کو چار سو روپے تو بیگار کے اور بھتّہ الگ۔

اسٹیشن ماسٹر : آخر وہ کون ہے؟

دیال جی : کوئی اسمتھ ہے۔ مدراس کی طرف کا۔ چمار کی اولاد، سالا کرستان ہو گیا ہے۔ نیکر ہیٹ پہنا اور بن بیٹھا ساہیب! دنیا جہان کے نکمّے لوگ یہیں آن مرے ہیں۔

اسٹیشن ماسٹر : اچھا اب ٹھنڈے ہو جاؤ۔ ہرگووند کو اس سیزن میں بیس ویگن چاہیے

ہوں گے۔

دیال جی : اس کا کام تو کرنا ہی پڑے گا۔

[حاجی عبدالکریم موسیٰ، چہرے پر داڑھی، گنجا سر، ہاتھ میں لکڑی، بدن پر پاجاما اور لمبا کرتا، سفر کا تھکا ہوا، داخل ہوتا ہے]

عبدالکریم : ماسٹر صاحب! او کیرنیج والے صاحب! اب ہمارا بھی کچھ کام کر دونا۔

دیال جی : آؤ میاں، تم بھی آؤ، تمھاری ہی کمی رہ گئی تھی۔

اسٹیشن ماسٹر : کیوں بھئی! تیرا کیا ہے؟ کچھ سامان کھو گیا ہے کیا؟

دیال جی : ارے بھائی! رات سے اس کی بُری حالت ہے۔ ڈپٹی کے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ صبح سے میرا بھیجہ چاٹ رہا ہے۔ رات کی گڈس کینسل ہو گئی۔ اس میں اس کے دس ویگن بھینس، گھوڑے اور بکرے لے جانے والے تھے۔ اسپیشل کے ہنگامے میں گڈس تو کینسل کر دی گئی اب کوئی دوسری گڈس بھی نہیں ہے۔ ایک گئی ہے وہ بھی اوور لوڈ۔

اسٹیشن ماسٹر: اس میں کیا ہو گیا؟ اُس کا مال رات کو چلا جائے گا!

عبدالکریم : ارے صاحب، رات کو کیسے جائے گا؟ مجھ پر نہیں، بچارے جانوروں پر تو ترس کھاؤ۔ دو میل دور سائڈنگ میں ویگن لگے ہیں۔ وہاں پانی بھی نہیں ہے۔ جانور چلّاتے چلّاتے تھک گئے ہیں۔ میں ٹھہرا غریب آدمی، اتنا بہت سا چارا کہاں سے لاؤں۔ لڑکے کو گاؤں بھیج کر چار گٹھری گھاس منگائی ہے۔ صاحب ایک دن کا زائد خرچا کمپنی تھوڑے ہی دینے والی ہے۔ اتنے وقت کوئی گاڑی جاتی ہو تو میرا کام کر دونا صاحب!

اسٹیشن ماسٹر: ہاں! ریلوے میرے باپ کی ہے نا؟ یہاں تیرے چیخنے چلّانے سے کیا ہوگا؟

عبدالکریم : صاحب، جانوروں کے بھی تو جان ہوتی ہے۔ بچارے ویگن میں گھٹ کر مر جائیں گے۔ میں غریب آدمی ہوں صاحب!

دیال جی : ارے بھلے مانس! تو غریب ہے تو کیا ہمارے دروازے پر ہاتھی جھوم رہا ہے۔ ہم بھی تیرے ہی جیسے ہیں۔ یہ ٹوپ اور کپڑے تو ریلوے نے اُدھار دیے ہیں۔ گھر پر تو ہم تیرے جیسے ہی کپڑے پہنتے ہیں۔ یہ کپڑے ریلوے ہمیں اس لیے

پہنائی ہے کہ کہیں صاحب لوگوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔ تو ڈی ٹی ایس کے بنگلے پر جا اور اس سے بات کر۔ وہ اس وقت اپنی میڈم کو گود میں لیے بیٹھا ہوگا۔

عبدالکریم : میں کہاں جاؤں صاحب! تم ہی کچھ کرو نا؟

دیال جی : عبدل میاں! گاڑی میرے گھر کی ہو تو تجھے اسی وقت ایک انجن دے کر دوڑا دوں۔ مگر یہ بھک منگوں کی ریل ہے۔ اس خاندانی ریلوے میں ترس اور نیائے کا کیا کام۔ ابھی اگر میڈم کے سر میں درد ہونے لگے تو دس بارہ فون کھڑکھڑا جائیں: تئیس نوکر اور باون گاڑیاں دوڑا دیں۔ دنیا بھر کے ڈبّے یہیں لاکر کھڑے کر دیں۔ اُن لوگوں کو تیرے جیسے ڈھور کی کیا پڑی ہے؟ اُن کے لیے تو جیسے جانور ویسا تو! اُن کی نظروں میں ہم تم جیسے لوہا لکڑی! ضرورت پڑنے پر ہی ہم لوگ یاد آتے ہیں، نہیں تو کون پوچھتا ہے؟

اسٹیشن ماسٹر: سچ کہتے ہو دیال جی!

دیال جی : جا بھائی! تو پلیٹ فارم کے ایک کونے پر نماز پڑھ اور خدا کا نام لے۔ جو گاڑی پہلے جائے گی اُس میں تیرا مال بھجوا دوں گا۔

عبدالکریم : بڑی مہربانی صاحب! یا اللہ! (جاتا ہے)

ہرگووند : اچھا اب میں بھی چلتا ہوں۔ جے رام جی کی!

اسٹیشن ماسٹر: اچھا، پھر ملیں گے۔ ارے دیال جی کو تو سلام کر!

ہرگووند : جے رام جی کی دیال بھائی!

دیال جی : جے رام جی کی۔ نہیں بھائی، تو اپنے ماسٹر کو ہی سلام کر، وہی تیرا بھلا کرے گا۔

(دو تار آتے ہیں)

اسٹیشن ماسٹر: (پڑھتا ہے) وَن بفیلو رن اوور۔ چلو ایک تو کم ہوا۔ یہ لو، تار کیرتج والے کا ہے۔

دیال جی : لاؤ بھائی! شاید کوئی گاڑی سِک ہوگئی ہے (پڑھتا ہے) سلون نمبر ٹائنٹی ٹو وہیل بیرنگ، لوز۔ کیپ اٹنڈنٹ ریڈی۔ کاپی ڈی ایل او۔ لو کو..... ماسٹر! میں پوچھتا ہوں کہ سسرے سلون کی بات سے ہمارا کیا کنسرن ہے؟

اسٹیشن ماسٹر: ارے بھائی، وہ جو بھینس کٹ گئی اُسی کا یہ آل کنسرن میسج ہے۔

دیال جی : تو کیا پوری لائن وہاں جاکر حاضری دے گی؟ میرا تو خیال ہے کہ ریلوے ہی اکیلی ہے جو اِن بچارے جانوروں کی میّت کی خبر دیتی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: تبھی تو برس بھر کے فائل میں سے حساب نکلتا ہے کہ اتنے ڈھور کٹ مرے۔

دیال جی : ارے بھائی، یہ ڈرائیور ہی بے وقوف ہیں جو تار دیتے ہیں نہیں تو کتنی ہی گائیں ایسے ہی کٹ گئیں کسی نے ایک بول بھی منہ سے نہیں نکالا ورنہ لوگ ذرا سی بات میں آسمان سر پر اٹھالیں۔ ساری جنتا ہی مورکھ ہے جہاں فینسنگ نہیں ہے وہاں روزانہ نہ جانے کتنے ڈھور مرتے ہوں گے۔ رونا تو بے چارے کسانوں کا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: ہاں، خود کسان ہونا، اس لیے تمھیں کسان ہی سوجھتے ہیں۔

دیال جی : ارے ماسٹر! زمین والے ہو کر بھی ہم پہ یہ وقت پڑا ہے کہ ریلوئی کی نوکری کرتے پھر رہے ہیں۔ آج کل تو زمین والے کی بھی بڑی مصیبت ہے۔ خون پسینہ ایک کرے کسان اور پیٹ بھرے سرکار والوں کا۔ چلوں، اُس سلون کا بھی کچھ کروں۔ ماسٹر! اس سالے سلون کی بات تو دیکھو! سلون ایک، اُس پر چار نوکر۔ ایک باورچی اور ایک سلون اٹینڈنٹ ——

اسٹیشن ماسٹر: وہ کیا کرتا ہے؟

دیال جی : سب کچھ! تیسرا سالا چپراسی۔ اور چوتھا میکینک۔ سالا اکیلا صاحب، اُس کے پیچھے نوکروں کی یہ ڈھیر ساری فوج! اُس پر کہتے ہیں کہ ہم نے نوکروں کی کٹوتی کی ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: پر اُن چار آدمیوں کا کیا کام؟

دیال جی : یہی تو ہے! چار نہ ہوں تو میت کیسے اُٹھے گی؟

اسٹیشن ماسٹر: بیٹھو دیال جی! ارے کوئی اسٹال پر سے آج کا اخبار تو لے آؤ۔ کوئی نئی پرانی خبر؟ دیال جی، سنا ہے کہ اُسے ڈِس مس کر دیا گیا ہے۔

دیال جی : کیسے؟

اسٹیشن ماسٹر: ارے وہ چوری کا کیس ہوا تھا نا؟ میل میں سورٹنگ کرنے والا — ڈاک اور رجسٹرڈ خط چراتا تھا؟

دیال جی : ہاں، ہاں! میں نے بھی اس کے بارے میں سنا تھا۔
اسٹیشن ماسٹر: سالا بڑا بدماش نکلا۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وہ نقلی ٹکٹ بھی بناتا تھا۔
دیال جی : بھائی، اس ریلوے میں جو پکڑا گیا وہی چور، باقی سب ساہوکار۔
اسٹیشن ماسٹر: سچ ہے۔

(اسٹال والا خود اخبار لے کر آتا ہے)

بک اسٹال کیپر: ساہیب! اب ہم بھی کیا کریں؟ صبح ہوتے ہی تمھارے صاحب لوگ اور دوسرے سرکاری افسر گاڑی پہ چلے آتے ہیں۔ اخبار اٹھایا، سیل توڑی اور پڑھ پڑھا کے واپس رکھ دیا۔ بعد میں کوئی گاہک وہ اخبار لینے پر تیار نہیں ہوتا!
دیال جی : تو، سمجھتا ہے کہ وہ ماما لوگ گاڑی پر گھومنے کے لیے آتے ہیں؟ ارے بھائی، وہ تو صرف اخبار پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ سالوں کو اتنی ڈھیر ساری پگار ملتی ہے مگر گانٹھ سے ٹکے ڈھیلے کرنے میں جان نکلتی ہے۔
بک اسٹال کیپر: تم ہی بتاؤ صاحب کہ میں کیا کروں؟
دیال جی : رام نام جپ! اور تجھ سے کیا ہو سکتا ہے؟ شکایت کرے گا تو سمجھ لے بچّہ کہ اسٹال پر سے تیری لائن کلیئر ہو جائے گی۔
بک اسٹال کیپر: اس طرح روز دو تین آنے کا جھٹکا لگ ہی جاتا ہے۔
دیال جی : سمجھ لیا کر کہ اتنے پیسے دان دکھشنا میں دے ڈالے!

(گھنٹی بجتی ہے۔ ماسٹر فون پہ جاتا ہے۔ ٹکٹ کی کھڑکی کے آگے سے لوگوں کا شور سنائی دیتا ہے)

دیال جی : اے، آواز نہیں کرو۔
ایک آواز : مگر صاحیب گاڑی کا وقت تو ہو گیا ہے نا؟
دیال جی : ہاں، ہاں! مجھے بھی پتہ ہے۔ رکے رہو۔ (ماسٹر سے) گاڑی چل پڑی کیا؟
اسٹیشن ماسٹر: ہاں۔

راملا : شاب! ایک دن کی چھٹّی چاہیے ۔
اسٹیشن ماسٹر: چھٹی؟ یہاں کیا تیرا باپ نوکری کرے گا؟ جا جا، اپنا کام کر۔
راملا : مگر شاب! شالے کے بیاہ میں جانا ہے ۔
دیال جی : تاڑی پینے، ہے نا؟ کیوں بے تیرا سالا کتنی بار بیاہ کرتا ہے؟
راملا : یہ تیسرا ہے، دو بار پہلے کیا پَر جورو نہیں آئی ۔
دیال جی : ماسٹر! اس سالے راملے کی ذات اور اپنے صاحب لوگوں کی ذات ایک سی ہے ۔ وہ سالے مگی کی میڈم دو وقت بھاگ گئی اور وہ وولف تین بار رنڈوا ہوا، اور تینوں بار بیاہ رچایا اور اس کی میڈم بھی تین بار بیوہ ہوئی اور تین ہی بار سہاگن !
اسٹیشن ماسٹر: (ہنستے ہوئے) اس وقت چلا جا، بعد میں بات کرنا ۔
دیال جی : میں بھی چلوں۔ گاڑی آنے والی ہوگی ۔ جے رام جی کی !
اسٹیشن ماسٹر: اچھا۔ میں بھی اتنے میں ٹکٹ بانٹے دیتا ہوں ۔ وہ بکنگ کلرک ابھی تک چھٹی پر سے نہیں لوٹا ہے ۔
دیال جی : (جاتے جاتے) لاؤ میں بانٹ دوں ۔ مگر مجھ سے حساب کتاب کرنا نہیں آتا ۔ اچھا چلتا ہوں ۔ (جاتا ہے)
اسٹیشن ماسٹر: (ٹکٹ کھڑکی کھول کر اسٹول پر بیٹھتے ہوئے) چلو لاؤ ۔
(ٹکٹ پر تاریخ چھاپتا ہوا لوگوں کو دے رہا ہے ۔ مشین کے کھٹکے سنائی دیتے ہیں ۔ باہر سے سمجھ میں نہ آنے والی آوازیں آتی رہتی ہیں)
اے، ذرا زور سے بول! کیا؟ دو بھڑوچ؟ لو دو بھڑوچ ۔ ارے یہ باقی کے پیسے تو لیتا جا! کیا؟ کتنے ٹکٹ؟ چار ۔ اٹھاؤ، ایک دو، تین، چار، لو ۔ اب پیسے دیتا ہے یا نہیں؟ یا پہلے ٹکٹ ..... ! دیتا ہوں، دیتا ہوں کیا لگائی ہے؟ دے بھی چک! کتنے ٹکٹ؟ ایک؟ دس کی نوٹ؟ (پھینک دیتا ہے) اٹھاؤ ۔ چھٹّے پیسے نہیں ہیں تیرے پاس؟ ٹکٹ لے گا چار آنے کا اور لایا ہے دس کا نوٹ! چل دیر مت کر ۔ دوسرے کو آنے دے ..... چھٹّا نہیں تو کیا تیرے لیے چھٹّا لینے میں جاؤں؟

یہ بھی کوئی سیو مُرمُرے والے کی دکان سمجھی ہے؟ — چل نکال!.....
دو گودھرا..... سنکھیڑا..... ساڑھے تین..... کتنے برس کا بچّہ ہے؟
پندرہ برس کی؟ پوری ٹکٹ لینی پڑے گی..... نہیں جا سکتی.....
چل بے احمد آباد کتنی؟ دو پلیٹ فارم..... ایک ودھوان! چلاّتا
کیوں ہے؟ پیسے واپس؟ کیوں حرام خور، میرے ہی گلے پڑتا ہے!
ابھی ابھی جو پیسے واپس دیے اُن کا کیا؟ سالے چور! بدماشی کرتے ہیں۔
واپس نہیں کیے تو کیا میں کھا گیا؟ چل نکل اِدھر سے سالے ٹھگ۔
نکال ہاتھ، ہاتھ نکال! چپ رہ۔

(فون کی گھنٹی بجتی ہے)

[مانک شاہ گارڈ داخل ہوتا ہے]

ہلو! ہلو! ہاں، آل رائٹ!
مانک شا، کیا تو جا رہا ہے؟ دیکھ، اس گاڑی سے بچے جانے والے
ہیں۔ ذرا ساتھ لے لینا۔ دیکھ کوئی کھٹ پٹ نہیں کرے!

مانک شا: ٹھیک ہے۔ کتنے بچے ہیں؟ سیکنڈ میں ہی بٹھا دوں گا۔

اسٹیشن ماسٹر: ہاں، ہاں، چار جن ہیں۔ وہاں بھی اسٹیشن کے باہر نکال دینا۔
اُدھر سارے کے سارے حرام خور ٹکٹ کلکٹر اکٹھا ہوئے ہیں۔

مانک شا: اچھا، اچھا۔

(تار آتا ہے۔ سرکلر آتا ہے۔ باہر ٹکٹ کے لیے ہلکا ہلکا شور جاری ہے)

اسٹیشن ماسٹر: اے لمڑ مت کرو! گپ چپ کھڑے رہو!

رُکھی: (باہر سے) ماستر سائب، میری تو کوئی سنتا نہیں، ارے کسی نے نارن کو —

اسٹیشن ماسٹر: دوبارہ کدھر سے بھوت نکلی؟ چلی جا!

رکھی: باد ھرجی کب لوٹیں گے؟

اسٹیشن ماسٹر: اری اُلّو، مجھے کیا پتہ؟ جا، کارخانے میں جا کر دیکھ۔ اور سُن! کل رات
کی اسپیشل ہے۔ تیرے نارن کا نام بھجوا دیا ہے۔ چار آنے ملیں گے۔
تو نے ہی تو کہا تھا ——

رُکھی : نہیں ماسٹر ساہیب! اتنی ٹھنڈی میں نارن کو نہیں بھیجوں گی۔ بھاڑ میں جائیں وہ چار آنے۔

اسٹیشن ماسٹر: کم بخت، کیا تیری عقل ماری گئی ہے؟ اُس کا نام لکھ لیا گیا ہے۔ نہیں آئے گا تو جیل جانا پڑے گا! سارے نیچے والوں کو بھجوانا ہے۔ گاڑی کے جانے تک مشال لے کر پٹری پہ کھڑا رہنا ہے، سمجھی؟

رُکھی : نہیں مائی باپ! میرے نارن کو اس طرح مت لے جاؤ! جرا تو دیا کرو مائی باپ!

اسٹیشن ماسٹر: چل جا یہاں سے، بھیجہ مت کھا! نارن کو رات میں بھیج دینا۔ اسپیشل کے وقت مشال لے کر راستے پر کھڑا رہے گا۔ ایک ایک آدمی تھوڑی تھوڑی دور پر کھڑا ہوگا۔ تیرا نارن اکیلا نہیں ہوگا، سمجھی؟

رُکھی : ہے بھگوان!

اسٹیشن ماسٹر: بھگوان وگوان سو گیا! اب جا! ہاں، (ٹکٹ دیتے ہوئے) لاؤ، چار کہاں کی؟

رُکھی : نہیں، نہیں، مائی باپ! نارن نہیں آئے گا۔

اسٹیشن ماسٹر: (چلاتے ہوئے) اگر تو نے اسے نہیں بھیجا تو تیرے بارہ بجا دوں گا! دور ہو جا یہاں سے! جمعدار کو اسی وقت بھیجتا ہوں۔ (باہر مسافر سے) لے، تین روپے واپس کیے اور تو دو ہی کہتا ہے؟ حرام خور! تو نے پانچ کی نوٹ دی تھی، دو روپے کی ٹکٹ۔ تین روپے واپس دیے۔ تو دوسرا چور نکلا! ارادے کیا ہیں؟ دیکھ، دیکھ، ایک طرف کھڑے ہو کر ٹھیک سے گن کر دیکھ! سالے ڈھونگی..... یہ کون ہے؟ یو؟ یس، یس، ہاؤ ڈو یو ڈو، مسٹر، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہاں کھڑے کھڑے انگریزی بولو گے تو میں ڈر جاؤں گا..... آل رائٹ آل رائٹ! ڈوات سی اِٹ..... بولو..... آئی ول سی! لو چلو۔ دیکھ بھائی، اپنے پیسے ٹھیک سے گن لینا، بعد میں میرے گلے مت پڑنا!

(باہر سے) ماسٹر سائیب، بادھرجی ——

[فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ باہر لوگ آتے جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک گھنٹہ بجتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ ماسٹر ہیٹ پہن کر باہر جانے لگتا ہے۔ جاتے جاتے]

اسٹیشن ماسٹر: یس! ہلو! ٹو تھرٹی؟ یس۔ گاڑی آگئی۔ تیری کیا مصیبت ہے، تو ابھی تک یہیں مری ہوئی ہے؟

رکھی : بادھرجی ——

اسٹیشن ماسٹر: تیرا بادھرجی گیا جہنّم میں، بھاگ جا یہاں سے، گاڑی آگئی ہے۔

[تیزی سے باہر نکل جاتا ہے۔ پردہ گرتا ہے]

دوسرا ایکٹ ــ دوسرا منظر

کردار : ٹکٹ کلکٹر، مسافر، سپاہی، دیال جی، راملا، ماسٹر، فقیر، غریب سادھو، کابلی، طالب علم، کاٹھیاواڑی۔

شام کا وقت ۔اسٹیشن کے باہر کا رستہ یا چوک ۔ پلیٹ فارم پر سے باہر جانے کا دروازہ دائیں یا بائیں جانب اس طرح بنایا گیا ہے کہ تھوڑا سا دکھائی دیتا ہے ۔ دروازے کے قریب ٹکٹ کلکٹر ٹکٹ چیک کرنے کا پنچ لیے کھڑا ہے ۔

[مسافر ایک ایک کر کے ٹکٹ دیتے ہوئے نکلے جاتے ہیں ۔ اتنے میں ایک ٹکٹ چیکر چلّاتا ہے ۔]

ٹکٹ کلکٹر : اے، اے! کھڑا رہ، جاتا کدھر ہے؟ ٹکٹ کہاں ہے؟

مسافر : ساہیب! ابھی تو تمھیں دیا ہے!

ٹکٹ کلکٹر : چل بے جھوٹے! چل اِدھر، ایک طرف سرک کر کھڑا ہو جا ۔ چلو، چلو، اے! یہ سامان کس کا ہے؟

ایک مسافر: میرا ۔

ٹکٹ کلکٹر : کھڑے رہو ایک طرف ۔ سامان تُلے گا ۔

ایک مسافر: مگر ساہیب ایک ٹکٹ پر ـــــــ

ٹکٹ کلکٹر : بک بک نہیں ۔ زیادہ بات مت کرو ۔ چولھا چکّی سب باندھ لایا ہے ۔ کیا ریلوے مفت میں لاد کے لائے گی؟

مسافر : ساہیب، کیوں بلا وجہ کھٹ پٹ میں پڑتے ہو۔ مالا پٹتا ہو تو پٹا دو نا!
ٹکٹ کلکٹر: تم لوگ اسی طرح سیدھے ہو گے۔ کھڑے رہو ایسے ہی۔
[مسافر ایک چونی نکال کر دیتا ہے]
ٹکٹ کلکٹر: نہیں، نہیں! یہ سب نہیں چلے گا۔ اس میں کیا بھلا ہوگا۔
مسافر : ارے ساہیب! اچھا لو، بس! غریب آدمی ہوں۔ چلو تم ہی راضی رہو۔
[دوسری چونی دیتا ہے اور چلا جاتا ہے]
ٹکٹ کلکٹر: سالے من من بھر سامان مفت میں ہی لے جانا چاہتے ہیں۔ کیوں بے، اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ ٹکٹ نکال، نہیں تو سیدھے سیدھے پیسے بھر دے۔
مسافر : مگر ساہیب، تھوڑی دیر پہلے ہی تو میں نے تمھارے ہاتھ میں ٹکٹ دیا تھا؟
ٹکٹ کلکٹر: چل! چل! ایک تو بغیر ٹکٹ آیا اوپر سے......
[ایک آدمی جانے لگتا ہے]

اے مسٹر! کہاں چلے؟
جانے والا : میں تو ایک آدمی کو چھوڑنے آیا تھا۔
ٹکٹ کلکٹر: آیا ہوگا، مگر پلیٹ فارم پاس کہاں ہے؟
جانے والا : نہیں لیا۔
ٹکٹ کلکٹر: تو کیا تیرے باپ کی ریلوے ہے! نکال ایک آنہ!
جانے والا : آل رائٹ! آنہ لے لو، مگر لمبی بات نہیں چاہیے۔ لو، لاؤ رسید۔
ٹکٹ کلکٹر: کیوں؟ ایک آنے کی بھی رسید چاہیے؟ دیکھو تو اس کی صورت! چلا ہے قاعدہ بتانے!
جانے والا: رسید دینی ہے کہ نہیں۔ نہیں تو جاتا ہوں اسٹیشن ماسٹر کے پاس۔ (مسافر) بھائی! تم بھی اگر پیسہ دو تو رسید ضرور لے لینا۔
ٹکٹ کلکٹر: اچھا بھائی اچھا! اب زیادہ کھوٹی مت کرو۔ میں تمھاری بات سمجھ گیا۔ جاؤ دونوں۔ تمھارے لیے رسید بنانے بیٹھوں تو ایک گھنٹہ برباد ہو جائے جاؤ بھائی جاؤ۔ میرا کیا ہے، ریلوے کا ہی نقصان ہے!

وہ دونوں آدمی جاتے ہیں

سالے عجیب عجیب دماغ کے لوگ آتے ہیں۔ لو، آج پھر ملپٹن کی پلٹن آ رہی ہے۔

[ایک سپاہی بہت سے بھکاریوں کو باہر دھکیلتا ہوا آتا ہے۔ ان میں ایک فقیر ہے، کابلی آدمی ہے، سادھو ہے، کاٹھیاواڑی مرد اور عورت ہے، کم سن لڑکے ہیں، ایک اندھا ہے، اور ایک دیکھنے میں اچھا مگر غریب کنبہ ہے]

ٹکٹ کلکٹر : آ گئے پھر سے چین کے ساہوکار؟ ایسے مسافر جن کا کوئی ٹھور ٹھکانا ہی نہیں! سالے سب کے سب تھرڈ جانے والے!

سپاہی : چلو، نکلو سالو!

فقیر : ابے جاتا ہے، گالی مت دو۔

ٹکٹ کلکٹر : ارے چل، چل، بدماش! ایک تو مفت کی مسافری کرتا ہے اوپر سے زبان چلاتا ہے۔ سیدھا سیدھا چلا جا، نہیں تو پولس کو دے دوں گا۔

فقیر : ابے دیکھا تیرا پولیس۔

غریب آدمی : مائی باپ! پیسہ ہوتا تو کیا ٹکٹ نہیں لیتا؟ ملک میں اکال پڑا ہے مائی باپ......

ٹکٹ کلکٹر : اکال پڑا ہے، اکال! تو کیا ریلوے تمھارے اوپر سکھاوت کرے؟ دیکھو تو سالا کیسا بہانہ نکال کر لایا ہے۔ ایک اِسے دیکھو! یہ سالا ڈھونگی اندھا؟ کچھ نہیں تو ایک مہینے سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں۔ اسٹیشن کیسے دکھائی دے جاتا ہے سالے کو؟

سادھو : ارے ٹکٹ ماسٹر! کائے کو خفا ہوتے ہو۔ جانے دو، سادھو لوگ ہے!

ٹکٹ کلکٹر : ہاں، سادھو! سالے تجھے کون سادھو کہے گا؟ مسٹنڈا کہیں کا! بڑا سادھوپن کر آیا ہے۔ جاترا کرنی ہے تو پیدل کیوں نہیں کرتا؟ ریلوے میں مرنے کیوں آ جاتا ہے؟

سادھو : ارے ماسٹر! سارا ہندوستان پھرا مگر تمھارا جیسا نہیں ملا۔

فقیر : ہاں سچ ہے، میں اور یہ دونوں سب دیس گھومے، مگر ایسا نہیں ملا۔

ٹکٹ کلکٹر: تو بچّہ، آج تو ل گیا نا؟ یہ شکل بھی دھیان میں رکھ لینا۔ بیٹے! مجھے دیکھ لیا تو سمجھ لے کہ تیری ایک اور جاترا ہو گئی۔ چلو سالے نکمّو!

کابلی: کیا، جاؤ، جاؤ؟ یہ تو رستا ہے! کیا تمھارے باپ کا ہے؟

فقیر: ابے چلو بے دھرم سالا میں۔ اس پٹھے کو بکنے دو۔

ٹکٹ کلکٹر: کیوں بے تو، جلدی جلدی کہاں جاتا ہے — اے! فقیر!

ایک دوسرا آدمی: چل بے بڑا آیا ریل گاڑی والا! اے ماسٹر! سُن! سارا ہندوستان پھرا، مگر آج تلک ایک پائی کا ٹکٹ نہیں نکالا۔

ٹکٹ کلکٹر: تو بچّہ! تیری عقل تو یہ تیرے باپ لوگ ہی ٹھکانے پر لائیں گے۔ دیکھتا ہوں تو ٹرین میں کیسے جاتا ہے۔ چلو، جاؤ۔

سادھو: ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ تیرے میں طاقت ہو تو اٹھا۔

[ایک طالب علم آتا ہے]

طالب علم: کیوں کپتان! ان سب کو کس کی جان کے لیے اکٹھّا کیا ہے؟

ٹکٹ کلکٹر: تو ہی دیکھ نا! یہ سالے ریلوے کا دیوالہ پیٹنے نکلے ہیں۔ اور وہ سادھو تو سب سے زیادہ ہی دم بھر رہا ہے — وہ اُدھر، سالا سانڈ کا سانڈ، دیکھ لیا؟

سادھو: اے، ہم سادھو لوگ کو گالی مت دو۔

ٹکٹ کلکٹر: لو سنو، یہ آیا بڑا مہاتما! اِسے گالی مت دو، ارے سالے بدماش لوگ! مفت......

فقیر: (زور سے) چپ رہو۔

کاٹھیا واڑی: باپ جی! ہم تو تمھارے پیر چھو رہے ہیں۔ تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ پیٹ میں کھولن مچی ہوئی ہے۔

ٹکٹ کلکٹر: تو کیا میں اپنے گھر میں دھرم سالہ کھولوں؟

طالب علم: کپتان! یہ لوگ اس وقت نہیں جانے والے۔ رات کی گاڑی سے جائیں گے۔

ٹکٹ کلکٹر: جائیں گے کہاں، باوا کے طبیلے میں؟ تو دیکھتا رہ! ابھی ابھی واچ اینڈ وارڈ والے آدمیوں کو کس طرح کھڑا رکھتا ہوں، سالے لوگ بھاگ

باپ سے نہیں، داداگیری سے بات کر رہے ہیں!

طالب علم : بیٹے لپیٹن! میرا کہامان تو سب کو جانے دو۔

ٹکٹ کلکٹر : کس خوشی میں ــــ تو بھی اصل ہندو نکلا کیا؟ دان سکھاوت کرنے کے لیے تجھے ریلوے ہی سوجھتی ہے۔ حلوائی کی دکان پہ ......

طالب علم : اب چپکا بھی رہ ــ آیا بڑا ریلوے کا خیر خواہ۔ دیکھ میں ٹھیک کہتا ہوں، ان سب کو جانے دے۔

ٹکٹ کلکٹر : ان سب کا ٹکٹ کیا تو خرید کر دے گا؟

طالب علم : بیٹے لپیٹن، یہ لوگ مصیبتوں کی پوٹ ہیں۔ تجھ میں ذرا سی بھی عقل نہیں ہے۔

ٹکٹ کلکٹر : تو بھی مجھے ہی برا بھلا کہہ رہا ہے؟

طالب علم : دیکھ لپیٹن! یہ ساہوکار لوگ یہاں محنت مزدوری کرنے والے نہیں ہیں۔ زندگی میں کبھی نہیں کی اور نہ کبھی کریں۔

سادھو : ارے بابا! ہم تو سادھو لوگ ہیں۔

طالب علم : لے سن اور سمجھ! ..... یہ تو سب کے سب سادھو لوگ ہیں!

ٹکٹ کلکٹر : مگر اس میں یہاں کس کے باپ نے ــــ

طالب علم : ارے مورکھ! میری بھی تو سن! ایسے بھکاری تو دیش میں تھوک کے بھاؤ پڑے ہیں۔ یہ کوئی تمھاری مٹھی بھر قوم نہیں کہ سب کو پنچایت میں سے غلہ ترکاری ملتی ہے۔ یہ تو بہتوں کی کھوٹی کمائی کا نتیجہ ہیں۔

ٹکٹ کلکٹر : تو یہاں پاٹھ شالہ چلانے آیا ہے یا بھاشن دینے؟

طالب علم : سچی بات کہتا ہوں ــــ اگر یہ لوگ بھیک مانگیں تو کوئی بھی آدمی انھیں پوری ایک روٹی دینے والا نہیں ہے۔ اس لیے یہ لوگ، گاؤں میں چوری کریں گے۔

ٹکٹ کلکٹر : میں بھی یہی کہتا ہوں نا؟ سالے ایک تو مفت مسافری کرتے ہیں اور پر سے پسنجروں کو پریشان کرتے ہیں اور رات کو لوٹ مار کا دھندا کرتے ہیں۔ کسی کی جیب کاٹیں گے۔ نہیں تو .....

طالب علم : نہیں تو کسی کا گھر پھوڑیں گے۔ تم لوگوں کے ریلوے کوارٹر ہی سب سے پہلے ان کے ہتھے چڑھیں گے اور یہ مت بھول کہ تو بھی انھیں میں سے ایک کوارٹر

میں رہتا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر: ایسی بات منہ سے مت نکال یار! تو بھی ایک ہی بھیجے والا آدمی ہے۔ سالا وہ فقیر مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا ــــ کہیں ان لوگوں کا پہلا ہلّہ میرے ہی گھر پر نہ ہو؟

فقیر: اے، گالی مت دو۔ ہم کبھی چوری نہیں کرتا۔

ٹکٹ کلکٹر: نہیں رے میرے باپ، تم تو پکّا ساہوکار ہے! بھلا چوری کیوں کرنے لگا! تم تو خالی ہاتھ کی صفائی کا کھیل کرتا ہے۔ یار میری جان عجیب مصیبت میں ہے۔ ایک طرف سے تو ڈراتا ہے، دوسری طرف سے افسر لوگ جان کھاتے ہیں۔ کوئی پڑھا لکھا پسنجر الگ سر پھوڑتا ہے۔

طالب علم: تبھی تو کہتا ہوں کہ ان سب کو ایک کمپارٹ میں اکٹھا کر کے دھکیل دے۔ نہیں تو آج رات پولس گشت ہوتے ہوئے بھی دو چار گھر ختم ہو جائیں گے؛ اور تو لائن پر گیا تو سمجھ لے کہ آج تیرے گھر میں جھاڑو پھر گئی۔

ٹکٹ کلکٹر: میرے خدا! ارے ان لوگوں کو آواز دے، واپس بلا واپس! او ساہوکارو! ارے او سیٹھو! او بابا لوگو! پدھارو ــــ پدھارو، واپس آؤ ــــ او فقیر ساب! چلو تمھیں پہلی ہی ٹرین سے روانہ کیے دیتا ہوں۔ ریلوے مجھے کون سا گھٹّا دے دینے والی ہے!

طالب علم: وہ تمھارا واچ اینڈ وارڈ ڈیپارٹمنٹ اونگھ رہا ہے کیا؟ ــــ بلاؤ نا کسی کو!

ٹکٹ کلکٹر: اُن کی بات ہی مت کرو۔ سالے رات بھر جانے کیا کیا کرتے پھرتے ہیں۔ کبھی ریلوے کے ڈبّے میں سے کسی کی چھتری نکال لاتے ہیں تو کبھی کسی کا بیگ اڑا لاتے ہیں۔ کسی کا لوٹا غائب کر دیتے ہیں۔ سارا محکمہ اسی لوٹ مار پر چل رہا ہے۔ بلانے دے ان لوگوں کو ــــ او سادھو لوگو!

طالب علم: پسٹن! اگر تم جیسے لوگ چھتری، پیٹی، بیگ اور دوسری قیمتی چیزیں غائب کریں تو ان بچارے بھکاری لوگوں میں کیا برائی ہے؟ یہ لوگ تو چور ہو کر چوری کرتے ہیں۔ مگر تم لوگ تو راجہ بن کر کرتے ہو!

ٹکٹ کلکٹر: اپنی نصیحت اپنے ہی پاس رکھ! بڑا آیا فیلسوف بن کر! دیکھ، وہ آدمی تو میرے ہی

کوارٹر کی طرف جا رہا ہے ــــ اے! اِدھر آؤ، سب لوگ اِدھر آؤ!

[واچ اینڈ وارڈ کا ایک سپاہی آتا ہے]

اے! اُن سب کو واپس بلاؤ اور آرام سے بٹھاؤ۔ میں رات کو ہی ان سب کا رستہ کیے دیتا ہوں۔ کچھ نہیں تو چندہ کر کے ہی ان سب کو پارسل کر دوں گا۔

طالب علم : اچھا میں چلوں۔ صاحب جی! ذرا عقل پکڑتا جا، نہیں تو ٹکٹ کلکٹری میں ہی پڑا رہے گا۔

ٹکٹ کلکٹر: ارے عقل کی جگہ یہاں تو ٹھن ٹھن گوپال کا زیادہ زور چلتا ہے، سمجھا! جاتا کہاں ہے؟ چل چارپی کر جانا۔

[بھکاری لوگ دوبارہ جمع ہو کر آتے ہیں]

طالب علم : اچھا چل! کون تیری گانٹھ سے پیسے جائیں گے؟

ٹکٹ کلکٹر: ہاں، ہاں، وہ اسٹال والا میرا سگا لگتا ہے نا؟

[دونوں جاتے ہیں]

فقیر : (گاتا ہوا آتا ہے)

یہی دنیا میں دو روز رہنا ــــ بڑا مسافر خانہ ہے،
اِدھر پڑا کیا، اُدھر گرا کیا ــــ سب کو ایک دن جانا ہے۔

(پردہ)

دوسرا ایکٹ — تیسرا منظر

کردار : رام چرن بھیّا، ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر، بھیاجی، سونی، پارسی ،
بوہری ، وید راج ، مارواڑی، ملّاح ، اناولا، طالب علم، مزدور ۔
رات کا وقت —— پلیٹ فارم ۔
[رام چرن رات کی ڈیوٹی پر ہے ۔ پہلے سین والا ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر داخل ہوتا ہے]

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: (اندر کے دروازے سے باہر آکر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور آواز لگاتا ہے)
اے بھیّا! ارے او بھیّا! ارے رام چرن ! (اندر سے گھنٹی کے بجنے کی آواز سُن کر جاتا ہے پھر واپس آتا ہے) اے کیبن والے ! ارے او کیبن والے ! (دور سے "اے ہاں" کی آواز آتی ہے) ارے مین لین کلیئر کرو، شنٹنگ انجن لینے کا ہے؟ —— برابر (آواز آتی ہے "برابر") اور لوپ لین سنبھالو (کچھ دیر بعد بھیّا آتا ہے) کیوں بھیّا کدھر گیا تھا ؟

رام چرن : کدھر بھی نہیں صاحب ۔کیبن میں سے دیکھا —— وہ ڈسٹنٹ سنگل کا لائٹ برابر نہیں جلتا تھا، اُسے ٹھیک کرنے کو گیا تھا۔

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: کر دی ٹھیک ؟

رام چرن : ہاں صاحب! یہ دیکھو ابھی سفید دیکھے برابر! پہلے تو بالکل اندھیرا تھا۔ وہ دن پالی والے کو بولو نہیں تو رپوٹ لگاؤ ۔ بار بار کہیں نہ کہیں بتّی نہیں جلتی ۔جا کر دیکھا تو اِدھر بتّی میں گیس تیل بھی کم۔

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: ارے بھائی! تو جانتا نہیں۔ آدھا گھاس تیل کوارٹر پر جاتا ہوگا۔
بھیّا: ہاں، یہی تو میں کہتا ہوں۔ سالے چوری کرتے ہیں گھاس تیل کی غلطی ہے اسٹیشن ماسٹر اور اسٹاف کی، اور گناہ اپنے نام چڑھے گا۔
ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟ کہاں کہاں دیکھیں؟ جو جیسا کرم کرے گا ویسا بھگتے گا۔
بھیّا: وہ تو ٹھیک ہے صاحب! مگر ٹرین کا بھی کرم دیکھنے جیسا کر دیں گے۔ سالے مرنے والے مریں گے، اُن لوگوں کا کیا بگڑے گا؟
ڈپٹی: اچھا اب جاؤ۔ کیبن پر مین لین کلیئر رکھو۔ شنٹنگ انجن لوپ لین پر لو۔
(اندر جاتا ہے)
بھیّا: اچھا صاحب۔ یہیں سے کہے دیتا ہوں (زور سے) ارے، کیبن پر گووندرام ہے کیا؟ اے.... ! مین لین کلیئر کرو۔ سن لیا...... ؟ شنٹنگ انجن لوپ میں لو.... (جواب 'برابر' آتا ہے) برابر، آل ریٹ! جے رام جی کی۔ جے رام جی۔ ابھی آتا ہوں۔ (جاتا ہے)
ڈپٹی: (ہاتھ میں کوئی کاغذ لیے دوبارہ آتا ہے) ارے بھیّا' دیکھو سب گاڑی دو گھنٹہ لیٹ ہے۔
بھیّا: سب گاڑی؟ کیا سب انجن کو سردی لگ گئی؟ یا کچھ ٹوٹا پھوٹا؟ سالی ریلوئی ہے ہی روز کی بیمار!
ڈپٹی: نہیں جی، اُس اسپیشل کے لیے پائلوٹ دوڑ رہا ہے نا، یہ سب اسی کی کرامات ہے۔ ساری گاڑیاں سائڈ نگ میں سوکھ رہی ہوں گی۔ اب چلیں گی ٹھیک سے۔
بھیّا: ارے ہاں، وہ اسپیشل اور اس کا بڑا پائلوٹ بھی۔ یہ بھی تو بڑی بیماری ہے نا؟ اب بلا کہاں تک چلنے والی ہے؟
ڈپٹی: کون جانے؟ ایک اسپیشل کے لیے کتنا ہڑ ہڑ مچا ہوا ہے؟ ابھی تو روانہ ہوگی اور واپس لوٹے گی۔
بھیّا: واپس بھی لوٹے گی؟ کیا ایک ہی روز میں لاٹ ساب کا کام ختم ہو جائے گا؟

اچھا بھائی! ٹھیک ہے۔ سب گاڑی لیٹ! چلو نیند نکالیں گے۔ آج ڈبل ڈیوٹی بھی ہے۔

ڈپٹی : ارے نیند کیا خاک نکالیں گے! ابھی کنٹرول چالو ہو جائے گا۔ دے کال پہ کال۔ ہاں بھائی! تیرے لیے تو صرف ڈبل ڈیوٹی ہے۔ مگر مجھے تو سویرے دس بجے ہی چھٹی ملے گی۔

بھیّا : ہاں صاحب! اور ہم تو کل کی شام دیکھیں گے۔ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی! ماسٹر صاحب! یہ تو بڑا ظلم ہے۔ (اندر گھنٹی بجتی ہے۔ ماسٹر جاتا ہے) ہاں صاحب! تم کرا کر و بریڈ! یہاں سے اُدھر اور اُدھر سے یہاں۔ دو گھنٹہ تک گاڑی ہی نہیں! (چھوٹا اسٹول باہر لاکر بیٹھتا ہے) سالا یہ ٹول بھی بڈھا ہو گیا۔ سب انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے۔ ریلوئی ہے۔ سب چلتا ہے۔

[بیٹھ کر گنگنانے لگتا ہے]

رگھو بیر کہے او سن میرے بھائی — ای... ای...
تم چلو جھٹ پٹ اور ڈھونڈو سیتا مائی — ای... ای...
ہنومنت کو لاؤ.....

(ماسٹر باہر آتا ہے)

ڈپٹی : ارے بھیّا! کمرے میں کوئی گرمی سی گرمی ہے! مچھر تو جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ یہاں کرسی رکھ دو۔

بھیّا : ہاں صاحب! یہ تو انجینیری کا بول بالا ہے۔ سب اسٹیشن جیل کے کمرے۔ یہ لو ساب، بیٹھو! اُدھر تو مچھر ساری رات گنگناتے رہیں گے۔

ڈپٹی : اب چلنے دو بھائی۔ کچھ بھجن وجن گاؤ۔ نہیں تو اونگھ آئے گی۔

بھیّا : اب یہی تو کرنے کو رہ گیا ہے۔

ڈپٹی : جا، اپنی پیٹی لے آ، نہیں تو ڈھولک۔

بھیّا : ڈھولک تو صاحب، ایسا ہے کہ اس دن ٹوٹ گیا۔ وہ اور دوسرا ایک ٹوٹا ہوا کیبن میں پڑا ہے۔ گووند رام! ارے او گووند رام! وہ پیٹی تو بھیجو ذرا۔

[بھیّا گاتا ہے اور ہارمونیم آتا ہے]

(وِہاگ سُر میں ٹھیک سے گایا جائے گا)

کال گھنٹہ بجاوے، مہا کال گھنٹہ بجاوے،
سادھو ہوکہ سیّاں ہو سب، کوئی جاوے کوئی آوے۔
کوئی سمیٹے بستر تو پھر، کوئی روئے کوئی گاوے — کال گھنٹہ......
پنیہ پاپ کی گٹھری لے کر، جیو مسافر جاوے،
رام نام کی ٹکٹ کٹالے، پھر آوسر نہیں آوے — کال گھنٹہ.....
ٹن نن، ٹن نن، ٹن نن ٹن، آکھر گھنٹ بجاوے،
رام نام سے سُن لو بھیّا، سو ہنہہ دھیان لگاوے — کال گھنٹہ.....

[باہر سے ہلکے شور کی آوازیں سنائی دیتی ہیں]

ڈپٹی : شاباش بھیّا، شاباش! ذرا بڑھ کے دیکھو تو کیا گڑبڑ ہے؟

[بھیّاجی جاتا ہے اس بیچ ماسٹر ہارمونیم پر انگلیاں مار مار کر بے ہنگم سُر نکالتا ہے]

رام چرن : (آکر) پسنجر لوگ ہیں۔ بھیڑ کر رکھی ہے۔ ٹرین لیٹ ہے تو وہ اندر نہیں آنے دیتا۔ اس لیے گڑبڑ مچا رہے ہیں۔

ڈپٹی : ارے آنے دے، آنے دے۔ جا، کہہ آ۔ بچارے وہاں کہاں بیٹھیں گے؟

(بھیّا جاتا ہے)

[مسافروں کا ریلا ایک دم آتا ہے۔ تین آدمی وِٹینگ روم کی طرف جاتے ہیں، مگر اندر جگہ نہ پاکر بڑبڑاتے ہوئے واپس آجاتے ہیں۔ دو چار آدمی ایک کے بعد ایک ماسٹر سے پوچھتے ہیں کہ گاڑی کتنی لیٹ ہے۔ ماسٹر کچھ جواب دیتا ہے۔ سب لوگ بڑبڑاتے ہوئے بیٹھنے لگتے ہیں۔ کوئی آگے بڑھ جاتا ہے پھر پلٹتا ہے۔ مسافروں میں سب طرح کے لوگ ہیں۔ کوئی سُورتی ہے، کوئی احمد آبادی، کوئی کاٹھیاواڑی، جوشی ہے، وید ہے۔ کچھ طلبا ہیں۔ دو چار عورتیں بھی ہیں۔ مگر وہ پیچھے کے حصّے میں چلی جاتی ہیں۔ سب کے پاس اچھا خاصا سامان ہے۔ کئی لوگوں نے اپنا سامان خود اٹھا رکھا ہے اور کچھ لوگ قلی کے سر پر لدوا کر لائے ہیں]

سونی : کیوں رکوا دیا ماسٹر صاحب! چلنے دو نا۔ دو کلاک کس طرح کٹیں گے؟

شروع ہو جاؤ بھیّا جی!

ڈیبٹی : ہاں بھائی! ابھی چل رہا تھا۔

سونی : اس میں کیا برائی ہے؟ ہم بھی سورگ میں چلے جائیں گے۔

پارسی : گاڈنی، گاڈنی۔ ایسا کیوں کرتے ہو۔ سالا ٹائم کیسے گزرے گا؟ کیوں ماسٹر، یہی ہے تمھاری پنچو الٹی؟ ارے، جرا گجل کوّالی ہونے دونی!

ڈیبٹی : ارے بھائی! یہ تو اسپیشل کا بول بالا ہے۔

پارسی : اسپیشل؟ کس کی؟ وائسرائے کی یا گورنر کی؟ — یا کوئی اسٹیٹ کا راجہ جانے والا ہے؟ مگر اس کی سجا (سزا) ہمیں کیوں مل رہی ہے؟

بوہری: ارے بھائی میرے! گونڈر کی اسپیسل چلے تو پھر اپنا ٹرین کدھر سے چلے؟ اب تو ۲ دو کلاک کا چھٹّی۔ میں نے اٹنی مسا پھری کی، پر اتنا اندھیر نہیں دیکھا۔

پارسی : کہاں کہاں پھر آئے ملّاجی؟

بوہری : ارے، یہ پوچھو کہ کہاں نہیں پھرا۔ اپنی گاڑی کو دیکھ کے بہت ڈکھ ہوٹا ہے۔ سارا جرمن پھرا، اٹالی پھرا، اسوی زرلینڈ گھوما، کیا ٹرینیں تھیں؟ کیا اُن کی سپیڈ؟ کیسے کیسے اسٹیشن؟ کیسی کیسی آرامی؟

سونی : واہ ملّاجی واہ! تم نے تو دیس دیس کا پانی پی رکھا ہے۔ کوئی بیوپار ہوگا؟

بوہری: اور کیا؟ اپنا لوہے کا بیوپار۔ تھری ٹیم جرمنی جا کر آیا — ہاں! پَر اپن نے انگریجی نہیں سیکھا؟ پَر اپن کو کوئی تکلیپھ نہیں ہوئی — جب ہندوستان میں ہی نہیں سیکھا تو کیا بلایت میں سیکھتا؟

مدراسی : تب تو تم سکنڈ کلاس میں جائے گا؟

بوہری : ارے سکین و تکین کلاس سب ہوا ہوگیا۔ ڈھنڈے روجگار میں چینڈیا ساپھ ہوگئی۔ اب تو اپن کو بڈھا کلاس میں مجا ہے۔

پارسی : بدھا کلاس کہ گدھا کلاس؟

کاٹھیاواڑی: ارے گدھا کلاش ہی ہے بھائی شاب! گدھا کلاش بھی اچھا ہوتا ہوگا۔ اِش گاڑی میں تو بھائی شاب، شر اور پاؤں آڑے کر کے رکھو، نہیں تو کھڑکی شے باہر۔ اِشے تو بھنگی کلاش کہو تب بھی کم ہے۔ شالوں نے اپنے لیے پورے

پورے ڈبّے رکھوائے ہیں۔ باپ کا راج ہے نا؟

ویدراج : ارے ہماری گاڑی کی تو بات ہی مت پوچھو۔ بیٹھنے اٹھنے کی بات تو جانے دو، سالی کے رکنے چلنے کا ہی کوئی ٹھکانا نہیں۔ چلے گی تو اپنی مرجی سے، رکے گی تو اپنے من سے۔ بیچ رستے میں اٹک جائے وہ بھی اپنی مرجی سے۔ ٹکٹ والے کے جُلَم، ٹکٹ چھیدنے والے کے جُلَم، مال تپاسنے والے کے جُلَم، اِس کے جُلَم، اس کے جُلَم۔ ابھی سردی ہے تو ٹھیک ہے، گرمی میں تو گلا تر کرنے کے لیے بھی بوند بھر پانی نہیں ملتا۔

مارواڑی : مُردے بھریں سو الگ۔

پارسی : او کھُدا! یہ کیا کہتا ہے؟ مُردے کائے کو؟

سونی : اس کا مطلب یہ کہ ایک ڈبّے میں مُردوں کی طرح آدمی ٹھونسے جاتے ہیں۔ جیسے آم کا پال ڈالا جاتا ہے ـــــ

بوہری : ارے سائے بلیک ہال کی مثال بھرتے ہیں۔ بے وقوف لوگ تختی لگاتے ہیں ڈس آدمیوں کے بیٹھنے کا، پر ذرا گن کر دیکھو، کسی بھی ڈبّے میں بیس سے کم آدمی نکلیں تو کہنا۔

ملّاح : کون، طیّب علی تم؟ یاد ہے؟ ہم تم اسٹیمر پر ملے تھے؟

بوہری : کون؟ کہاں؟ ارے میرے تم؟ ہاں، ہاں، کیسر (قیصر) پر ملے تھے! یاد آیا! کہاں سے آرہے ہو؟

ملّاح : ابھی دو روز ہوئے اسٹیمر آئے! تھوڑا یہاں گھومنے کا، پھر واپس پورٹ منتھ جانے کا ہے۔

پارسی : کیوں ملّاجی، کیسر سے بھی ہاتھ ملا کر آئے ہو؟

بوہری : ارے باواجی کیوں مشکھری کرتے ہو؟ کیسر ہند اسٹیمر پر اس آدمی سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ کیسر پر نوکر تھا۔ کیوں ممیرا! کیا اب بھی وہیں ہے؟

ملّاح : ہاں، کیسر پر لنڈن کا بیس پھیرا کر چکا ہوں۔ اور دریا تو سب کھنگال کر پھینک دیے ہیں۔ آج کل چھٹی پر ہوں۔

بوہری : سائی کیا کسمت ہے؟ جتنے بڑے بڑے جہاج ہیں، سب اپنے یہاں کے

لوگ چلاتے ہیں اور ڈنیا بہادڑی گورے لوگ کی سمجھتی ہے۔

ایک آدمی: (نیکر ہیٹ میں) اسٹیشن ماسٹر! نو روم اِن ویٹنگ روم؟ جسٹ سی۔

ماسٹر: یس ــــ (کہہ کر کھڑا ہو جاتا ہے)

بوہری: بچارا اسٹیشن ماسٹر کیا کرے؟ گٹ پٹ کرنا جانتا ہے تو ویٹنگ روم چاہیے۔ ڈنیچھ لینا وہاں جگہ نہیں ملے گی تو کس طرح اس کی اسٹیم بھپے گی۔

مدراسی: کوئی ریلوے کا ہی آدمی ہے۔

بوہری: تب تو کوپر براس!

مدراسی: وہ کیا ہوتا ہے؟

بوہری: کھڈا بجھس۔لو یہ سپاہی بنڈوق ٹانگ لایا ہے۔کوئی اصل شکاری لگتا ہے۔(ماسٹر آتا ہے) کیوں ماستر ساہیب! نپٹا ڈیا اُسے؟ جرا سنبھالنا بھائی، کوئی کھانڈانی شکاری ڈکھائی ڈیتا ہے۔

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: ارے کاہے کا شکاری؟ پاس والی تلیا سے بطخ مارے جاتے ہیں۔ اُس کے لیے بھی دو چار افسر اکٹھے ہو کر جاتے ہیں ــــ جیسے کوئی شیر مارنے جا رہے ہوں۔ابھی تو جانے کدھر کدھر دھاندلی کریں گے۔

بوہری: میں تو سمجھا کہ کوئی بڑا الڑ ّدیا آگیا ہے۔سکل سے تو اپھلاتون (افلاطون) لگتا ہے۔پَر بنڈوق پکڑنا بھی نہیں آتا......ہی....

[پارسی واپس آتا ہے]

کیوں کاؤس جی؟ کہاں ہو آئے؟ چار کا کپ چڑھا آئے؟

پارسی: ارے نہیں، جرا ٹائم پوچھنے گیا تھا۔

اناولا: اب ٹائم پوچھنے میں کیا رکھا ہے۔آنا ہوگا تب آئیں گے۔کوئی ہماری مرجی سے تھوڑے ہی گاڑی لائیں گے۔سسری یہ ریل گاڑی بھی کیا ہے۔کوئی بیمار ماندہ ہو تب تو اور بھی دیر کر کے آتی ہے۔

پاٹی دار بھائی: کون سے ہم لوگ رستے پر پڑے ہیں۔اُن سالوں نے تو بس ٹکٹ تھما دیا۔اب چاہے مر دیا جیؤ!

پارسی: ارے تم سب ریلوے پر کیوں گرم ہو رہے ہو؟ شکر کرو نی کہ اتنا بھی کام

نکال دیتی ہے۔

(قریب ہی دو تین لڑکے بیٹھے ہیں جو صورت سے طالب علم نظر آتے ہیں۔
یہ ساری باتیں سُن کر اُن میں ایک چلاّتا ہے)

طالب علم : کیا خاک کام نکالتی ہے؟ کوئی احسان کرتی ہے کیا؟ پیسے بھی تو لیتی ہے۔
اپنا دیس ہمیشہ کا جاہل رہا، اس لیے ہانک سلیمان گالی والی بات چلتی ہے۔
جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ بھی بنا سر پیر کا۔ کسی بھی اسکول والے سے پوچھو، توتے
کی طرح ریلوے کے ہی فائدے رٹنے لگے گا ـــــ اتنے پل بنائے، مسافروں
کو اتنی زیادہ سہولتیں دیں، تار کے اتنے کھمبے لگائے، کاروبار میں اتنا
منافع ہوا ـــــ

بوہری : کس کے باپ کا کاروبار؟ ارے میں نے کہا نا کہ ـــــ

طالب علم : ذرا صبر، دو منٹ صبر کرو ملاّجی!

بوہری : ہاں، ہاں بولو!

طالب علم : سب لوگ سینکڑوں فائدے گناتیں گے مگر دیکھو، تم سارے ہندوستان میں
پھرتے ہو، زیادہ تر اسٹیشن شہر سے دور ـــــ کوئی دو میل دور کوئی دس میل۔
بیوپار دیکھو تو بھاڑے کا ٹھکانا ہی نہیں۔ دوسرے ملک سے بمبئی مال آئے تو
سستا، مگر دلّی سے بمبئی مال جائے تو مہنگا پڑے۔

بوہری : میرے بھائی کو بمبئی کی کھانڈ سستی اور نینی تال کی بہت مہنگی پڑتی ہے ـــــ

طالب علم : بھائی، دس بات کی ایک بات یہ کہ تار، ڈاک اور ریلوے جنتا کے کام کی یا جنتا
کی سہولت کے لیے ہیں ہی نہیں۔ یہ تو بس کمائی کرنے کے ڈھونگ ہیں۔ باقی
رہی منافع کی بات تو اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ بات کیا کرتے ہو؟
پل باندھنے میں کیا بہادری ہے؟ مغلوں نے کلکتہ سے دلّی تک سیکڑوں میل
لمبی سڑک بنائی تھی۔ اُس کے بیچ میں بھی تو ندی نالے آتے تھے؟ ایک یہ لوگ
ہیں۔ چھوٹے چھوٹے نالوں پر بے ڈھنگے پل بنا کر سینہ پھُلانے لگے! ذرا سی برسات
ہو جائے تو راستہ ہی دکھائی نہ دے۔ اِدھر اُدھر گڈھوں میں پانی سڑتا
رہے۔ سارے دیس میں مچھّر لوگوں کا خون چوستے رہیں اور ملیریا بڑھتا رہے۔

ویدھ : ارے بھائی، ملیریا بھی کیسا؟ ایسا زہریلا، ایسا زہریلا کہ ہم ویدوں کی بھی ایسی تیسی کرکے رکھ دے۔ تب ہماری سرکار بکرے کو نکال کرا ونٹ بٹھاتی ہے۔ ملیریا کے بڑے بڑے ڈاکٹر آتے ہیں۔ اِدھر جانچتے ہیں اُدھر جانچتے ہیں اور پھر پچکاریوں میں کونین بھر بھر کر اِدھر اُدھر چھڑکتے ہیں۔ ملیریا تو کیا خاک دور ہوتا ہے الٹے اور نہ جانے کتنی بیماریاں پھیلنے لگتی ہیں۔

بوہری : وہ اپنا حسین بھائی منصفا حکیم بھی یہی رونا روتا تھا۔

طالب علم : میرا بھی یہی کہنا ہے۔ اب یہی دیکھونا! ایک پل بنا دیا تو کون سا بڑا تیر مار دیا؟ یوں سمجھو کہ سو ٹکے سود پر رقم روک لی۔ ایک برسات گزر جائے پھر دیکھو کتنی پٹریاں دُھل جاتی ہیں، کتنے پل ٹوٹ جاتے ہیں! آج ہی ٹرین سے گزرتے وقت دیکھ لینا، جو بھی پل آئے گا اُس کی مرمت چل رہی ہوگی۔ آج کل کنکریٹ کا جماؤ چل رہا ہے تو سیمنٹ کے ٹیلے کے ٹیلے کھڑے ہیں۔ ہر نیا انجینئر نئی اسکیم لے کر آتا ہے۔ بارہ مہینے کوئی نہ کوئی کام چلتا ہی رہتا ہے۔ کہیں پٹری بچھائی جاتی ہے۔ اسٹیشن کی عمارت ہی دیکھ لو، ایک ہی برسات میں نئے اسٹیشن کی دیواروں میں دراڑیں! فرش اور چھت کی حالت تو پوچھو ہی نہیں! کنٹراکٹر الٹے سیدھے طریقوں سے اپنی اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور کام چالو رکھتے ہیں۔ اس میں بھی پندرہ آدمیوں کی ساجھے داری۔ مزدوروں کی مرن الگ۔ منوں مٹی کی ڈھلائی۔ کھلی گاڑی میں مزدوروں کو بھر کر اِدھر سے اُدھر دوڑاتے ہیں۔ نہانا دھونا تو کیا، بچاروں کو ایک وقت کی روٹی پکانے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ تعمیر کا سارا کام دھوکا دھڑی کا! اور خرچ دیکھو تو لاکھوں میں۔ عمارت بنانے کا سامان دوسرے دیس سے آتا ہے۔ ذرا یہ گھڑیال دیکھو، چار گنا قیمت میں خریدا گیا ہوگا۔ یہ ماسٹر صاحب کی ٹوپی، سیٹی اور بتّی، انجینئرنگ، میڈیکل، لوکو، ٹرافک، پرمانٹ وے کیرنج، الیکٹرک، رولنگ اسٹاک، کوئی بھی ڈیپارٹمنٹ دیکھو، دس گنی قیمت کا مال پھر بھی کوئی چیز اصلی نہیں۔ ٹکٹوں کے دام بڑھیں تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ سہولتوں میں بڑھوتری ہو تو کہاں سے؟ اوپر کے افسروں کو تو

گنجھا بھر لگار سے مطلب !

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: ارے بھائی! آج کل کٹوتی کی دہائی دی جا رہی ہے۔ نوکر رکھیں گے تین اور اُن کے اوپر تیرہ افسر! یہ حساب چل رہا ہے۔ دس دس کے پانچ نوکر کم کر دیے اور پانچ سو کے پانچ افسر بڑھا دیے۔ افسر بھی کیسے؟ بیس بیس برس کے چھوکرے کسی قسم کا تجربہ نہیں ——

بوہری: جانے کدھر سے پارسل کیا یہ تازہ کولا مال!

طالب علم: سب ایسے ہی چلتا ہے۔ ڈائرکٹر کے سگے والے، ماما۔ ماسی کے لڑکے، وہاں نہیں کھپ سکے تو سارا کچرا یہاں دھکیل دیا۔ ارے صاحب! ماسٹر سے پوچھو، ایک میل ٹرین خالی دوڑائیں گے۔ مسافروں کے نام پر ایک اکیلے صاحب اور اس کی میڈم! ان کے لیے بیس بیس باورچی، بے گنتی اسٹاف۔ بمبئی سے پشاور، پشاور سے کلکتہ، وہاں سے مدراس، مدراس سے بمبئی۔ پنجاب میل، افغان میل، فرنٹیئر میل، ٹرینوں کے نام ہاتھ ہاتھ بھر کے۔ درجے، صرف دو —— فرسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس۔ ہر گاڑی گھاٹے میں دوڑے۔ یہ سارے عیش ہمارے اس لال ٹکٹ کے بوتے پر۔ ارتھ شاستر کے مطابق بیوپار میں کیا کیا ہوتا ہے، یہ تم لوگوں کو کس طرح سمجھاؤں؟

بوہری: ارے ارتھ ساسٹر برتھ ساسٹر کی کیا بات کرتے ہو؟ بیوپار کی باتیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مسٹر تم نے لکچر تو بہت اچھا ڈیا، پر اس سے پھائدہ؟

کاٹھیا واڑی: بھائی، پڑھا لکھا ہے تو اتنا جاننا بھی ہے۔ کسی نہ کسی دن اس سے فائدہ بھی ہوگا۔

بوہری: کیوں کاڈس جی! کیا ٹھنڈی زیادہ لگ گئی؟ ذرا چار کا کوپ چڑھاؤ۔

پارسی: ارے تم بھی کیا پنچایت لے بیٹھے؟ اس مسٹر میں کبھی کالج کی تازہ ہوا بھری ہے تبھی تو اونچی ہانک رہا ہے۔ یا پھر یہ بھی کسی ٹکٹ کلکٹر کے ہاتھ کا ستایا ہوا لگتا ہے۔ بُرا مت ماننا بھائی! بولو تم بھی چائے پیو گے نا! ملّا جی تم بھی؟ دوسرا کون کون پیے گا؟ بولو، چلو!

بوہری: ارے، ارے! ایک ڈم سے سکھاوت پر اتر آئے؟ چار تو سبھی پئیں گے۔

پارسی : تو کیا ہوا، پینے دو نا؟ اچھا بولو کتنے کوپ ..... پانچ ... دس

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر: تم بیٹھو، میں نوکر بلائے دیتا ہوں۔ اے کون، سبھیا جی! اسٹال والے کو چائے کے لیے کہو نا؟

بوہری : اے بھیا جی! جا میری طرف سے کھاری بسکٹ، سب کے لیے۔

پارسی : تم بھی جوس میں آگئے؟

بوہری : تو کیا ہوا؟ مجلس جمی ہے تو جیا سچت بھی ہو۔ کوئی کہاں جائے گا، کوئی کہاں۔ پھر جانے کب اور کہاں ملیں، کھڈا بمانے۔

[انگلی اوپر اٹھاتا ہے۔]

پارسی : ماسٹر صاحب! مجلس جم گئی ہے تو بھیا جی کو کہو نا کچھ سنا دیں۔ آجائے بیٹی! باوا جی! اپن کو تو اوں آں کرنا بھی نہیں آتا نی، نہیں تو کب کا چالو ہو گیا ہوتا۔

سونی: اتنے لوگوں میں کوئی ہو تو آواز اٹھاؤنا! ٹھنڈی میں کچھ گرمی آنے دو۔

بوہری: تم نے تو ایک نیند پوری کر لی نا؟

سونی : نہیں بھائی، ایک آدھ جھونکا ہی کھایا ہے۔ اچھا اب ذرا راگ چلنے دو، تھوڑی پھرتی آئے۔

[یکایک ایک کونے میں سے کاٹھیا واڑی تان لگاتا ہے]

کاٹھیاواڑی: اے اے اے ....

سونی : واہ وا .... ہاں۔

کاٹھیاواڑی : اے، اے....

لڑکی ہو، بگیا (بنیا) ہو، گاڑی ہو، پیسہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

(رَپَر) یہ کڑوی میٹھی نیندیا، پیسہ بِنا آتی ہے سدا

ایک آدمی : شاباش، شاباش۔

وید : (اچانک)

اے .... لنگڑی ہو، موٹی ہو، مورکھ ہو، وید بنا چلتا ہے اِنھیں،

پَر جب سر کے یہ ناڑی، وید بنا سدھرے ہی نہیں

ایک آدمی : واہ ویدراج واہ! ہاں ساب! اب تمھاری ہو جائے!

کاٹھیاواڑی : اے.... تنکا کھٹکے آنکھ کو، کنکر پانی کو کھٹکے
دل کو کھٹکے درد دکھ، برہا سب کو ہی کھٹکے

وید : دکھ سہیں، برہا سہیں، سہیں گرہ کا یوگ۔
پَر جب روٹھے وید تو پورا لگ جائے بھوگ۔

ایک آدمی: واہ، واہ! واہ ویدراج! کیوں مُلّا جی؟
اس میں اپنا کام نہیں بھائی جی! یہ تو وید کے روٹھنے والی بات ہے۔ جھگڑا ٹنٹا اپن سے نہیں ہوتا۔ کیوں کاؤس جی! کچھ تمھاری بھی ہو جائے۔

پارسی : ارے میں کس کے باپ کا استاد ـــــ

نوہری: تُم اپنے بادا جی کا استاڈ! چلنے ڈو۔

ایک آدمی: ہاں بھائی! وقت تو کاٹنا ہی ہے۔

پارسی : تو لو، ایک صوفیانی راگ سناتا ہوں۔ اس میں تنبورے کی تال اور کھڑی کی تھاپ ہے۔
(بھجن)

اے.... اے.... اے....
سکھ دکھ کے چکّر میں مت پڑیو، کھیل ہے سارا دیل کا
ہونا ہے سو ہو کے رہے گا، ایشور رکھوالا جگ کا ـــــ سکھ دکھ.....
[سب لوگ ایک ساتھ "سکھ دکھ" والا مصرع اٹھاتے ہیں]
اے، ہرشچندر جیسا راجا، جس کی منڈوڈری رانی،
بارا برس تک بن بن بھٹکی، کھانا ملا نہ پانی ـــــ سکھ دکھ....
اے رام چندر جیسا راجا، جس کی سیتا رانی،
جنگل جنگل ننگی گھومی، بھرے آنکھ میں پانی ـــــ سکھ دکھ....
اے، نل راج جیسا راجا، جس کی دمینتی رانی
جس کی چھت پہ بگل بجتا تھا، پر سب ہو گیا دھول دھانی ـــ سکھ دکھ...
بھائیو! اپن کو تو بس اتنا ہی آتا ہے۔ تان پلٹنے کی بات تو بڑی نرالی ہوتی ہے۔

بوہری : ارے واہ! فس کلاس گایا ۔ حروپھ حروپھ میری سمجھ میں آیا۔ باواجی! بڑا اچھا سیکھا ہے تم نے ۔ چلو بھئی اب کوئی ڈوسرا گراک آنے ڈو۔

[گھنٹی بجتی ہے ۔ ماسٹر جاتا ہے]

سونی : ارے کیا چارپی کر بھی کسی میں گرماہٹ نہیں آئی ؟

[ماسٹر واپس آتا ہے]

پارسی : کیوں ساہیب! کچھ ترین ورین کا حساب ہوا کہ آج کی چھٹّی ؟

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر : آئے گی، آئے گی ۔ دھیرج رکھو بھائی ۔ کون جنگل میں بیٹھے ہو! اب زیادہ دیر نہیں ہو گی ۔

ایک آدمی : ہاں سرکار چلنے دو تان ۔

کاٹھیاواڑی : ارے سرکار دربار کے دن تو ہوا ہو گئے ۔ جب دربار ٹھاٹھ تھے تب راگ راگنی سے پربت بھی گونجتے تھے ۔ دربار بھی کیسے ؟ سمندر کی طرح کوئی حد ہی نہیں ۔ ہوا کی طرح اڑنے والی اونٹنیاں دیس بدیس کے کلے (قلعے) پھلانگتی پھرتی تھیں ۔ لوگ جب اپنے راجا کے گن گاتے تھے تو گگن بھی جھوم اٹھتا تھا ۔ اُن دنوں رعیّت کے کھیتوں میں پودوں کی جگہ ناج کے یہ اونچے اونچے پیڑ اگتے تھے ۔ ہوا ہو گئیں وہ باتیں! اب تو ——

(گیت)

ریل گاڑی آنگن آئی .....

ہے، بھولے بھلے دیس کے اندر، ریل گاڑی آنگن آئی ،

اے، ہرے کھیتوں کی چھایا میں، اگن گاڑی آنگن آئی ،

ہے، آگ بگیچوں اور گاؤں کے پاس، کالے منہ کی شیرنی آئی ،

رے، کھیتوں سے کھوسبو آئے، اس میں سے بدبو آئی ۔ ریل گاڑی آنگن آئی ۔

[اسٹیشن ماسٹر اندر جاتا ہے]

اے، دور دور کے دیس پردیس کی، سندر سندر چیجیں لائی ،

رے، بھولے بھالے کسان لوگ کو، بھوکا پیاسا رکھنے آئی ۔ ریل گاڑی آنگن آئی ۔

دو تین آدمی : واہ جی وا! شاباش، ریل گاڑی آنگن آئی ۔ واہ، واہ، کیا رنگ جمایا ہے ۔

[ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر آتا ہے]

ڈپٹی : لو، گاڑی چل پڑی ہے۔

بوہری : ہو، ہو، اب پیسے وصول ہو گئے۔

پارسی : او کھدا! کھداجی نے تمھارا گانا سُن کر ہی گاڑی دسپیچ کری ہے نی! چلو، سب اکٹھے ہی بیٹھیں گے۔ رات اچھی نکل جائے گی۔

ایک آدمی : کیوں باواجی! سونے نہیں دوگے کیا؟

[سب لوگ اپنا اپنا سامان سنبھال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ کھُسر پھُسر کی آوازیں آتی رہتی ہیں]

ایک آدمی : بھائیو، بولا چالا معاف کرنا۔

دوسرا : بولا کیا اور چالا کیا؟ اب تو گاڑی ہی بولے گی اور گاڑی ہی چالے گی۔

پہلا : (دور دیکھتے ہوئے) آگئی گاڑی! یہ روشنی اُسی کی ہے نا؟

دوسرا : ارے یہ تو ناگن کی من ہے۔

پہلا : من تو ناگ کے ہوتی ہے۔

دوسرا : ناگ کے پاس سے چرالائی ہوگی۔ اندھیرے میں رستہ نہیں دِکھتا نا، اسی لیے!

ڈپٹی : (ہاتھ میں تار لیے بے چینی سے دوڑتا ہوا) بھیّا! او بھیّا!

رام چرن : ہاں صاحب!

[گھنٹی دوبارہ بجتی ہے۔ ماسٹر ایک دم فون کی طرف جھپٹتا ہے]

ایک آدمی : لگتا ہے پھر کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔

رام چرن : اب کیا ہو گیا صاحب!

ڈپٹی : بھیّا جی! آج جو کچھ نہ ہو جائے وہ تھوڑا ہے۔ میری تو سمجھ ہی کام نہیں کرتی۔ تار آیا ہے۔ اسپیشل کا لائٹ انجن تیار رکھو، کیبن کو بولو۔

(گھنٹی پھر سے بجتی ہے)

رام چرن : اے کیبن والا.... اے .... اے.... اے ....

ڈپٹی : (تیزی سے آتے ہوئے) بھیّا! وَن کا وَرن اوور!

رام چرن : کیا صاحب!

ڈپٹی : ایک گائے کٹ گئی - ڈرائیور رپورٹ کرتا ہے - یہ لوگ بھی بلا وجہ کام بڑھاتے ہیں -

رام چرن : صاحب ! گاڑی آگئی !

ڈپٹی : ارے ہاں، ایک گھنٹہ بجا دو -

(رپورٹر ایک طرف سے نکلتا ہے اور پسنجروں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف چلا جاتا ہے - سارے پسنجر ایک اٹین بنا کر گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے تماشائیوں کی جانب کھڑے رہ جاتے ہیں - فوراً ہی گھنٹے کی آواز سنائی دیتی ہے)

ارے .... بھائی .... جراہٹ کے ....

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ — پہلا منظر

کردار : صاحب لوگ ، اُجل سنگھ ، نارن ۔

رات کے پچھلے پہر کا اندھیرا ۔ پٹڑی پر ایک ٹرالی کھڑی ہے ۔ اس سے ذرا دور نالے پر بنے پل کا ایک حصّہ دکھائی دیتا ہے ۔ پٹرومیکس جل رہا ہے ۔

[دو تین صاحب لوگ کھڑے باتیں کر رہے ہیں ۔ ان میں ایک پنجابی سردار بھی ہے ۔ ایکس ۔ ای ۔ این ، پی ڈبلیو آئی ، ٹی بی آئی (انجینئر ، ٹریک مقادم ، ٹیلی گراف انسپکٹر) اور پل مقادم سردار اُجل سنگھ]

ایک صاحب : ابھی کوئی نہیں آتا ؟

اُجل سنگھ : یس سر ! ابھی آتا ہوگا ۔ پیدل چلنے اور ٹھکانے ٹھکانے پر آدمی کھڑے کرنے میں دیر ہوتی ہوگی ۔

دوسرا صاحب : برج برابر ہے ؟

اجل سنگھ : ہاں ساب ! ابھی دیکھا ۔

تیسرا صاحب : سب آل رائٹ ، اجل سنگھ ! آدمی لوگ کو سب سمجھا دیا ہے — کیا کھڑا رہنا ، کیا کرنا ، کہاں تک — سب ؟

اجل سنگھ : ہاں ساب ! سب لوگ کو بول دیا ہے — مشال ہاتھ میں رکھنا ، ایسے بیٹھ کر کے کھڑا رہنا ، لمبی نظر رکھنا ، اسپیشل چلی جائے پھر بھی پندرہ منٹ تک کھڑا رہنا ۔ سب برابر سمجھا دیا ہے ۔

ایک صاحب : دِس بلڈی کولڈ !

اجل سنگھ: ہاں ساب ٹھنڈی تو بہت ہے۔ مگر مشال کی گرمی میں ٹھیک رہے گا۔
دوسرا صاحب: اجل سنگھ! اُس کو بول دیا ہے کہ ٹرین چلے گئے بعد دوڑنا نہیں؟
اجل سنگھ: ہاں ساب، برابر کہا ہے۔ ہم کو یاد ہے ایک وکھت کا نتیجا۔ اکھبار میں پڑھا تھا۔
ایک وکھت کوئی نیٹیو اسٹیٹ کی اسپیسل چلی جا رہی تھی اور جنگلی مشالچی گاڑی کے پیچھے مشال لے کر بھاگ پڑا تھا۔ وہ سمجھا سرکار مائی باپ کی گاڑی کے پیچھے بھاگنا ہی چاہیے۔ میٹر گیج اور اسپیڈ کم ہوگی۔ تو ساب! باڈی گارڈ نے دیکھا اور ایک دم بندوق لے کر گولی چھوڑ دی اور شوٹ کر دیا۔ ہی ہی ہی ہی!
ایسا ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ سب لوگ جنگلی، بالکل بھی سمجھ نہیں۔

پہلا صاحب: یس..... پور مین!
اجل سنگھ: ہاں ساب، دوسرا کیا ہو سکے؟ مشال لے کر ہی بھاگا، وہ سمجھا میں ڈیوٹی کرتا ہوں
مگر شوٹ ہو گیا۔
دوسرا صاحب: نالے کے اُس بازو ایک اور اور اِس بازو بھی ایک رکھیں گا؟ ایسا ——
اِدھر ایک لیبر رکور کھنا۔
اجل سنگھ: اچھا ساب۔ ایسا ہی ہے لسٹ میں بھی — یہ رہا — ایک۔
پہلا صاحب: اِدھر تک اپنا ڈسٹرکٹ ہے — یہ نالہ اپنے ڈسٹرکٹ میں آتا ہے نا؟
اجل سنگھ: ہاں ساب، یہاں تک اپنا ہی ہے۔ وہ آکھری ایک مشال والا اِدھر رہے گا۔
[دوسرے دو تین افسروں کے ساتھ نارن مشعل لیے آتا ہے]
[نارن سے] دیکھو! اِدھر کھڑا رہنا، پل کی اِس باجو۔ اسپیسل جاوے پھر بھی پندرہ منٹ تک یہاں ہی رہنا۔ پھر لوٹ آنا، سمجھا؟
پہلا صاحب: ہی اِز اے بائے!
اجل سنگھ: ہاں ساب! لڑکا ہی ہے — اتنا لیبر رکھی مسکل سے ملا۔ اِس ٹھنڈ میں کوئی آتا نہیں۔ اور پیسے کم پڑتے۔
دوسرا صاحب: آل رائٹ، اب چلیں گے؟ ٹیلی گراف آل رائٹ، لائن آل رائٹ۔ برج آل رائٹ؟
اجل سنگھ: ہاں ساب! سب آل رائٹ! (نارن سے) اچھا! دیکھو — کیا نام تمھارا؟

نارن : نارنا!

اجل سنگھ : نارنا! اچھا نارن! اب اِدھر سے ہٹنا نہیں۔ صاحب دیکھیں گے تو ماریں گے۔
اِدھر ہی کھڑا رہنا۔ سمجھا!

نارن : ہاں ساب!

پہلا صاحب : پُور بائے! اچھا چلو۔

اجل سنگھ : ٹرالی مین! اے ٹرالی مین — کدھر گیا؟

پہلا صاحب : کیا ٹائم ہوا؟

اجل سنگھ : ایک پندرہ۔ ابھی تو ایک گھنٹہ ہے ساب۔ اچھا نارن! اِدھر کھڑا رہنا ہے۔
اے ٹرالی والا .....

[ٹرالی والا آتا ہے۔ سب لوگ کود کود کر ٹرالی پر بیٹھتے ہیں۔ ٹرالی دھکیلی جاتی
ہے۔ پردہ گرتا ہے]

تیسرا ایکٹ — دوسرا منظر

کردار : پورٹر، کیبن والا، ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر، رام چرن، غلام محمد، کال بوائے۔

پَو پھٹنے کا وقت۔

پورٹر : (بتی ہلاتے ہوئے آواز لگاتا ہے) کیبن والے .... او کیبن والے .... اے سنٹنگ انجن کو لین میں جانے دو..... اے ...

کیبن والا: (کیبن کی کھڑکی میں سے) کب کا دھکیل دیا — اب کیا چلاّتا ہے۔ ارے پورٹر، ماسٹر صاحب کدھر ہیں، ابھی تک نہیں آئے؟

پورٹر : وہ آرہے ہیں سائڈنگ میں سے۔ سالی ٹھنڈی بہت پڑتی۔ اے بھیاّ جی، مین لین کلیئر کرو....

کیبن والا: ارے یہ کیا جھک لگائی ہے؟ ابھی تو وسل بھی نہیں ہوئی۔ تم تو کوئی دن کسی کو ٹپک دے گا!

[ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر آتا ہے]

پورٹر : ماسٹر سا ہیب! ذرا دیکھ کر چلنا، اِدھر تار بہت ہیں، سیلپر بھی بکھرے پڑے ہیں۔

ڈپٹی : ہاں بھائی، دور سے ہی دیکھ لیا ہے۔ ارے بھیاّ جی! او بھیاّ جی!

رام چرن : (اوپر سے) آگئے ماسٹر صاحب؟ بہوت دیر لگی؟ ابھی کیا جھگڑا ہے؟

ڈپٹی : ارے جھگڑا تو بھاری ہے۔ اُس اسپیشل کو تو ٹھنڈا کر دیا بھائی۔ کون جانے ابھی اور کتنی دیر یہاں ٹھٹھرنا پڑے گا۔ ارے پورٹر، ذرا دیکھ آفس میں بڑا ماسٹر جاگتا ہے یا اونگھ گیا؟ فون دون آئے گا اور وہ اونگھتا ہوگا تو ہوگئی مصیبت!

(پورٹر جاتا ہے)

رام چرن : بڑے ماسٹر کی آپ کیوں اتنی فکر کرتے ہو ساب ؟ وہ تو لیٹ گئے ہوں گے۔

ڈپٹی : ارے بھائی! وہ بھی تو اپنا ہی بھائی بند ہے نا؟ ناحق نوکری گنوائے، کیا فائدہ؟

رام چرن : ٹھہرو صاحب! میں نیچے اسٹول بھیجتا ہوں۔

ڈپٹی : ارے نہیں بھائی! یہ تو کھڑے پیر کی نوکری ہے۔ کوئی چڑی کا آ نکلے گا تو بلا وجہ جان کھائے گا۔ اب تو قریب قریب سویرا ہونے کو آیا۔ کیا بج گیا؟

رام چرن : چار بچاس۔ اسپیشل تو نکل گئی ہوگی۔ اب وہ گڈس لینے کی رہی۔ ابھی کوئی لین کلیئر نہیں آیا؟

ڈپٹی : آجائے گا۔ ابھی دیر ہے رام بھیّا! اسپیشل کا رعب بہت بھاری تھا ——

رام چرن : ہاں صاحب! اسپر ہیٹر، اور پندرہ روز سے گھس گھس کے چمکتا بنایا۔ اور بوگی بھی اچھی تھی۔

ڈپٹی : کھڑی ہو کر اسٹارٹ بھی اچھالیا۔ مگر رام بھیّا، تو نہیں ہو تو وہ چلے ہی نہیں ——

رام چرن : ہاں صاحب! یوں سمجھو کہ کیبن تو اس کا کلیجہ ہے۔

ڈپٹی : ہاں، یہ پٹری وٹری اور لال ہری بتّی اپنی جگہ مگر ان سب کا آدھار تیرے ان دو ہینڈلوں پر ہے۔

رام چرن : رام جی کا آدھار، صاحب!

ڈپٹی : اگر یہ ہینڈل بگڑ گئے تو سارا کھیل ختم۔ . . . . ارے اس شنٹنگ انجن کو لو۔ —— بن لین پہ . . . . . اے اے . . . اے برابر! بھیّا جانے دو . . . او . . او۔

رام چرن : یہ کون ہے آج؟ کیا چھنّو میاں ہیں؟

ڈپٹی : ہاں، چھنّو ہی ہوگا۔ بڑا دھاندلی باز ہے! رام بھیّا، یہ آگ والے اور ڈرائیور بڑے نکّے ہوتے ہیں! رعب اتنا جھاڑتے ہیں کہ پوچھو مت! اور یہ گاڑی تو شیطان کی سگی! گھڑ گھڑ کرتی چلی جائے! کچھ چنتا ہے اِسے؟ بلا روک ٹوک! نہ انجن کو کوئی فکر! دو پٹریوں پہ دھم دھم کرتا چلا جاتا ہے۔ نہ سامنے کوئی کھڈّا نہ ٹیلا، نہ ندی نالا۔ اس کے لیے سب برابر۔

رام چرن : صاحب! ریل گاڑی جو ٹھہری۔ چلی جہاں تک چلی۔ سارا کھیل آگ کا ہے ساب!

ڈپٹی : یہ تو صحیح ہے۔ ذرا سی چوک ہوگئی تو رام نام ست ہی سمجھو۔ آگ ہی تو ہے؟ بھڑکے تو ستیاناس۔

رام چرن : ارے صاحب اُس کا زور تو دیکھو اور اس کی نوکری بھی دیکھو کیسی قابو میں رہتی ہے؟ مگر آدمی لوگ کم زور ہیں پر اُس پہ غصّہ کتنا کرتے ہیں!

(پورٹر آتا ہے)

پورٹر : ساہیب! یہ تار ہے۔ پلیٹ پھارم پہ ڈھیر سارا سامان پڑا ہے وہ کاہے میں جائے گا؟

ڈپٹی : بتّی اِدھر لاؤ، دیکھوں کیا لکھا ہے (پڑھتا ہے) بھیّا! بھیّا جی! فون سے کارخانے میں پوچھو کیا بات ہے؟

رام چرن : کیا ہے ساب؟

ڈپٹی : ارے تم پوچھو تو: وَن ٹوئنٹی ٹو کے انجن پر بادھر آیا کیا؟ ــــ کچھ گڑبڑ ضرور ہے!

رام چرن : (زور سے) ہلو ــــ ہلاؤ ــــ رننگ شیڈ! کوئی ہے اُدھر؟ اسٹور والے ــــ سالا کوئی جواب نہیں دیتا ــــ کہاں مر گئے؟ اے ..... ہلو..... اے کون ہو تم، کہاں مرا تھا؟ ــــ اچھا کیا کچھ ایکسیڈنٹ ہوا ــــ بادھر کو؟ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ پھر؟ ہاں.... ہوں..... بادھر جی؟ ماسٹر صاحب! سنو، کہتا ہے کہ بادھر جی انجن پر سے گر پڑا؛ حالت گمبھیر ہے۔ ابھی وہ گڈس آیا ــــ کہاں کدھر گرا وہ کچھ بتاتا نہیں۔ ابھی تک کارکھانے میں ہے اور ڈاکٹر کے لیے بھیجا ہے۔۔

ڈپٹی : میرا دل کہتا تھا۔ یہ تار بھی بغیر ٹھکانے کا ہے۔ پوچھو بھیّا جی، بادھر کو کارخانے میں رکھا ہے یا گھر لے جا رہے ہیں؟ (پورٹر سے) جا، بڑے ڈاکٹر کو میری طرف سے کہہ کہ بادھر کے کمرے پہ پہنچے۔

رام چرن : (ٹیلی فون سُن کر) ساب! بولتا ہے کہ کوارٹر پر لے جاتا ہے۔ بولو ساب کیا کرنا ــــ نوکری ہے یا گُلامی؟

ڈپٹی : رام بھیّا! کیبن میں کوئی دوسرا آدمی ہو تو اُسے یہیں بٹھاکر تو میرے ساتھ چل!
رام چرن : ایسے آسکتا ہوں صاحب ؟
ڈپٹی : ہاں، ہاں، چل! ریلوے کے لیے آدمی کی جان جائے تو کیا ریلوے اُس کی اتنی مدد بھی نہیں کر سکتی ؟ ڈیوٹی کا مطلب میں بھی جانتا ہوں مگر ——— (اس بیچ بھیّا نیچے اترنے لگتا ہے) یہاں —— آٹھ کلاک کی —— چودہ چودہ کلاک کی نوکری ہے —— نوکری بھی کیسی ؟ کسی کام کی قدر نہیں —— جہاں نیچے سے اوپر تک سب اندھیر ہی اندھیر ہو وہاں فرض کا آدرش پال کر....

(رام چرن آتا ہے)

رام چرن : چلو صاحب! ہم کو سب گھوٹالا مالوم ہوتا ہے۔ وہ سالا جونس بڑا داروباجی کرتا ——
ڈپٹی : بھیّا! ہم کارخانے کیوں جائیں۔ وہ لوگ اُسے کوارٹر پر لے جانے والے ہیں تو یہیں سے ہوکر جائیں گے۔ یہی تو رستہ ہے۔
رام چرن : ہاں صاحب! یہ بھی ٹھیک ہے۔ ابھی آتے ہوں گے۔
ڈپٹی : ہاں! اُدھر دیکھو، شاید وہی لوگ ہیں۔
رام چرن : صاحب! آج ڈاکٹر بھلا کیا آئے گا —— یہ دیوالی چلتی ہے تو رات کو سوتا بھی نہیں ہوگا۔ وہ بیٹھا اٹھنے والا ہی نہیں۔
ڈپٹی : اے! کون ہو بھائی ؟
ایک آدمی : قلی مین ہیں صاحب! بادھرجی کو لے جا رہے ہیں۔

[چار قلی مین بادھرجی کو ایک ٹوٹی کرسی پر لادے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ سب سے پیچھے غلام محمد ہے، وہ رک جاتا ہے]

ڈپٹی : کون، غلام محمد ؟ کیا حال ہے ؟
غلام محمد : ٹھیک ہے صاحب! خدا ہی رحم کرے اس پر....
ڈپٹی : کیوں، کیا بہت گمبھیر ہے ؟
غلام محمد : یہ تو پتہ نہیں۔ ماسٹر صاحب! میرا تو خون کھول رہا ہے۔
ڈپٹی : کچھ بتا تو سہی۔

غلام محمد : ذرا سوچو تو صاحب، آج تک کتنے ہی آگ والے انجن پر چڑھے اترے، مگر بادھرجی ہی گر گیا؟ چلو یہ بھی مان لیں مگر انجن پر سے گرنے سے کیا گال بھی سوج جاتے ہیں؟ ڈرائیور لوگ کتنی پی کر گاڑی پر جاتے ہیں، یہ تو پتہ ہے نا؟

رام چرن : میں نہیں کہتا تھا صاحب —— وہ سالا جونس ہے ہی شیطان کی اولاد!

غلام محمد : ارے بھیّا! شیطان کی اولاد مت کہو، اصل شیطان کہو، اصل شیطان!

ڈپٹی : کیا مطلب؟

غلام : ارے صاجیب! تم بڑے آدمی یہ کھٹ پٹ کیا سمجھو؟ تمھیں کیا سمجھو؟ تمھیں کیا پتہ کہ بادھرجی اور جونس ایک ہی خون کے — ایک سونا دوسرا مٹّی ۔

رام چرن : کا کہت ہو بھیّا؟

غلام محمد : کا کہت؟ —— تم ٹھہرے پردیسی —— جمعہ جمعہ آٹھ دن تمھیں آئے ہوئے —— ہم تو بچپن سے ہی انھیں پہچانتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں سے بھی یہی سنا ہے ۔ جونس کو کچھ مت سمجھو صاجیب! دور سے ہی دیکھیو —— ایک خون! جونس کے باپ نے چھٹپن میں ہی اپنا دھرم پلٹ لیا تھا —— آج سے کوئی پچاسس ایک برس پہلے کی بات ہے۔ بادھرجی کے باپ کے پاس تھوڑی سی زمین تھی ۔ وہ اور جونس کا باپ دونوں چچیرے بھائی تھے، بس زمین کے پیچھے دشمنی ——

ڈپٹی : یہ تو کیا کہہ رہا ہے غلام محمد؟

غلام محمد : یقین نہ ہو تو نور سے پوچھ دیکھو۔ وہ بھی انھی لوگوں کے وقت کا ہے۔ تھوڑی سی زمین کے لیے بادھر سے دشمنی —— ایمان پلٹو یا بدلو، پر ساہیب، خبیث آدمی کہیں بدلتا ہے؟ اس کا انصاف تو خدا کے یہاں ہوگا۔

ڈپٹی : آخر اُس نے اپنا دھرم پلٹا ہی کیوں؟

غلام محمد : ارے چھوڑو صاحب! لمبی بات سے کیا فائدہ؟ بس یوں ہی پلٹ لیا۔ ہلکی ذات، غریبی، گانٹھ میں پیسا نہیں۔ کوئی ہندو اپنی لڑکی دینے کو تیار نہیں ۔ منہ دیکھنے تک کا روادار نہیں ۔ ایسے میں مشن والوں نے سہارا دیا۔ بادھرجی کا باپ پکّا دھرمی تھا اس لیے بچ گیا۔ جونس کا باپ ان لوگوں کی باتوں میں آکر کرستان بن گیا —— بعد میں ذرا پڑھ لکھ گیا اور بن بیٹھا صاجیب!

ڈپٹی : چل بھئی چل۔ وہ لوگ پہنچ گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر بھی آتا ہوگا۔

غلام محمد : آیا بہت! جونس کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ اُس نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ بادھرجی اسٹیشن سے کچھ اُدھر ہی گر پڑا تھا اور بے ہوش ہو گیا تھا، میں اُسے گارڈ کے بریک میں رکھ کر لایا ہوں۔ دوسرے آگ والے کو دھمکا کر گواہی میں اُس کے دستخط لے لیے۔ اُس بے چارے کو بھی نوکری کرنی ہے۔ وہی کہانی سنائی جو جونس نے اُسے بتائی تھی۔ جونس کارخانے آکر تھوڑی دیر بھی نہیں رکا وہاں سے سیدھا ڈاکٹر کے پاس پہنچا ہوگا اور نوٹیں چلنے لگی ہوں گی۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ سارے کارخانے میں ایک ہی بھلا مانس تھا —— اکیلا بادھر ——! جتنا سیدھا آدمی، اُس پر اُتنے ہی ستم۔

ڈپٹی : میں نے ابھی پورٹر کو بھیجا ہے۔ کہہ دیا ہے کہ بڑے ڈاکٹر سے میرا نام لے کر آنے کو کہنا۔ تار ملتے ہی میں نے اُسے روانہ کر دیا تھا۔

غلام محمد : تو کیا تار ابھی آیا ہے؟ لو دیکھو، اس بات کو تو چار گھنٹے گزر گئے۔ گاڑی پہلے پہنچ گئی اور تار اب آ رہا ہے! صاحب! جونس نے اسٹیشن ماسٹر کو بھی اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے۔ خوب پیسا کھلایا ہے۔ نمک کا حق تو ادا کرے گا ہی —— یا اللہ!

رام چرن : رام رام! مجھے مل جاتے تو سالے کی ہڈی پسلی ایک کر دوں!

غلام محمد : بھیّا جی! یہ مت سمجھنا کہ میرا خون کچھ کم گرم ہے۔ یہ ریلوے، یہ نوکری، یہ ظلم اور یہ بے انصافی! کسی کی عزت آبرو تو ہے ہی نہیں۔ بارہ بارہ کلاک کی غلامی کرو تب کہیں پیٹ کا گزارا۔ اُس میں بھی ہماری ریلوے سمجھتی ہے جیسے ہم پہ احسان کر رہی ہے! یہ جو ہماری ہڈیوں کی لکڑیاں جل رہی ہیں، اُس کے دھوئیں سے اور جو خون جلتا ہے اُس کی بھاپ سے یہ ریلوے چلتی ہے۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ سارے کنبے کو اکٹھا کر کے پٹڑی پر لیٹ جائیں اور گاڑی اوپر ہو کر نکل جائے۔ روز روز کا یہ جھن جھٹ تو ختم ہو۔ چھٹکارے کا یہی ایک راستہ ہے۔ انصاف، سچائی، ایمان، وفاداری سب جھوٹ! جیسے کالے کپڑے ہیں ویسا ہی کالا دل ہے اُس

ریلوے میں!

رام چرن : ارے کسی کسی کے پاس تو دل بھی نہیں ہے۔

غلام محمد : وہ بغیر دل والے ہی تو ان کالے دل والوں کو خرید لیتے ہیں نا!

ڈپٹی : (آنکھ میں آیا ہوا ایک آنسو رومال سے پونچھتے ہوئے) چلو بھئی چلو، سویرا بھی ہو گیا۔ وہاں پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی ــــ ڈاکٹر آجائے گا۔

غلام محمد : صاحب، تم بھی پورے اللہ میاں کی گائے ہو ــــ اتنی ٹھنڈی میں کلی مینوں کے لیے کون ڈاکٹر اٹھ کر آئے گا؟ آج تو اس نے حلق تک ٹھونسا ہو گا، اٹھا ہی نہیں جائے گا اس سے! اچھا اب چلو، بہت دیر ہو گئی۔

[ایک دم اندھیرا۔ اس اندھیرے میں کیبن کے بازو والی کوٹھری کی سیڑھی اندر کھینچ لی جائے۔ پیچھے کالا پردہ ویسے ہی پڑا رہنے دیا جائے۔ پھر دوسری جانب سے غلام محمد، ماسٹر اور رام چرن ہاتھ میں بتّی لیے ہوئے آئیں، اور]

ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر : دیکھنا بھائی، ذرا سنبھال کر، یہاں تار ہیں ــــ یہ راستہ زندگی بھر سدھرنے والا نہیں ہے!

غلام محمد : ہاں، صاحب! ابھی اگر صاحب لوگ یہاں سے گزرنے والے ہوں تو ایک پل میں پچاسیوں بتّی لگ جائے اور نیا راستہ بن جائے ــــ

ڈپٹی : وہ بیچارے پردیس سے آتے ہیں نا! انھیں یہاں کے رستوں کی خبر نہیں ہوتی۔ اس لیے اُن کے لیے ہر چیز نئی چاہیے!

رام چرن : یہ بھی کوئی رستہ ہے سالا؟ ــــ

[جوں ہی یہ تینوں بیچ رستے پہنچتے ہیں کہ سامنے سے بتّی کی روشنی پڑتی ہے، اور ایک آدمی آتا ہوا نظر آتا ہے]

غلام : کون ہے بھئی؟

کال بوائے : میں ہوں، کارکھانے کا کال بائے۔

غلام محمد : کہاں سے آرہا ہے؟ ــــ

کال بوائے : رام چرن کے گھر سے۔ یہ تار دینے گیا تھا۔

رام چرن : کیا ٹنٹا لایا ہے پھر ہمارے لیے؟ ــــ

ڈپٹی : جا، جا، بھائی، مجھے خبر ہے۔ لاؤ تار — چلو بھیّا جی، کوئی بات نہیں ہے۔

[تار لے لیتا ہے۔ کال بوائے چلا جاتا ہے]

رام چرن : اب کس کی موت کا پیغام آیا ہے؟

ڈپٹی : ارے بھائی، مجھے تو یہ خبر گھنٹہ بھر پہلے مل گئی تھی۔ اس مورکھ سے صبر نہیں ہوا ہوگا تو وہاں جا کر کہہ آیا ہوگا۔ بھیّا کی گائے رَن اوور ہو گئی، یہ تار اُسی کا ہے۔

غلام محمد : کیا گائے کٹ گئی؟ —— کون سی گاڑی سے؟

ڈپٹی : اسپیشل سے!

رام چرن : ارے وہ تو بادھرجی کی گیّا تھی!

غلام محمد : ارے اُس بے زبان پر تو رحم کرنا تھا! —— یا اللہ!

رام چرن : ہے رام! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ڈپٹی : (ٹھنڈی سانس لے کر) چلو بھائی چلو، اب اور کوئی گڑبڑ نہ ہو تو اچھا ہے۔

[سب جاتے ہیں۔ کالا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ باہر کا پردہ گرا کر بھی سین بدلا جا سکتا ہے۔ مگر ڈرامے کا تسلسل قائم رکھنے کے لیے یہی بہتر ہے کہ بڑا پردہ نہ گرایا جائے بلکہ کالا پردہ اٹھا کر آخری سین پیش کیا جائے]

تیسرا ایکٹ ـــــ تیسرا منظر

کردار : ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر، غلام محمد، رام چرن، کال بوائے، دُکھی، کمپاونڈر، بادھر، جھنڈی والے۔

صبح ہوگئی ہے ۔اس کے اُجالے میں کنواں، گیٹ، کوٹھریاں وغیرہ دکھائی دیتی ہیں۔

[چار پانچ کلینر، بادھر کے پلنگ کے پاس کھڑے ہیں ۔غلام محمد وغیرہ داخل ہوتے ہیں ۔سب اپنی اپنی بتّیاں کنوئیں کے پاس رکھ دیتے ہیں]

ڈپٹی : کیوں بھائی ! کیا حال ہے اب ؟ ڈاکٹر آیا ؟

ایک آدمی : ابھی تک تو نہیں آیا ـــــ مگر کمپاؤنڈر آرہا ہے۔

غلام محمد : بڑے ڈاکٹر سے کہہ تو دیا ہے نا ؟

وہی آدمی : کیسے کہتے ؟ ہمّت ہی نہیں پڑی اُسے جگانے کی ! باہر دو دو کتّے اور ایک پٹھان ۔جاگنے والا ہوتا تو کیا کتّوں کی آواز پر نہیں جاگتا ؟ ـــــ وہ تو چڑھا کر مست پڑا ہوگا۔

غلام محمد: صاحب ! یہ ڈاکٹر بیمار آدمیوں کے لیے نہیں، ہٹّے کٹّوں کے لیے ہے ۔ دو نوٹ سرکائیے کہ سِک سرٹیفکٹ تیّار ! ورنہ آدمی مرتا بھی ہو تو اُسے کوئی مطلب نہیں۔

[دُکھی پلنگ کے پاس بیٹھی ماتھا پکڑے رو رہی ہے]

ڈپٹی : کیا یہ کھٹیا کوٹھری میں نہیں جا سکتی ؟

رام چرن : کوٹھری میں جگہ تنگ ہے صاحب!

ڈپٹی : رکھی بائی! ہمّت رکھو بہن! نارن نہیں ہے کیا؟

رام چرن : ارے ساب! اُس ڈپٹی کو دوسرا کوئی نہیں ملا تو نارن کو مشال لے کر بھیج دیا۔

ڈپٹی : ارے! یہ اُسے کیا سوجھی؟ اتنے سے چھوکرے کو ایسے کام پر بھیجا جاتا ہے بھلا؟ ضرور صاحب لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیا ہوگا؟ــــ مگر اسپیشل گزرے تو چار گھنٹے ہوگئے! وہ ابھی تک لوٹا کیوں نہیں؟

غلام محمد : لو، کمپاؤنڈر تو آگیا۔

ڈپٹی : میں ہوتا تو نارن کو جانے ہی نہیں دیتا۔ ارے رام!

غلام محمد : خدا حافظ ہے!

[کمپاؤنڈر آتا ہے]

ڈپٹی : کیوں؟ کیا ڈاکٹر صاحب نہیں آنے والے؟

کمپاؤنڈر : ڈاکٹر صاحب جو ٹھہرے! مرضی ہو تو آئیں، نہیں ہو تو نہ بھی آئیں۔

ڈپٹی : ٹھیک بھائی! تم ہی دیکھو اِسے۔

(کمپاؤنڈر بادھر کا معائنہ کرنے جاتا ہے)

غلام محمد : اب یہ کون آیا؟

(کال بوائے بتّی لیے ہوئے آتا دکھائی پڑتا ہے)

کال بوائے! اب کس لیے آیا؟

کال بوائے : اس رپورٹ پر بادھر جی کی سہی یا انگوٹھا لینے کا ہے۔ مکادم نے بھیجا ہے۔

رام چرن : ارے حیوان کے بچّے! تیرا رپوٹ اور مقادم جائے جہنّم کے کھڈّے میں ــــ یہ کیا رٹ لگائی ہے؟

[غصّے سے مارنے دوڑتا ہے]

کال بوائے : ارے، ارے بھیّا جی؟

رام چرن : حیوان کے بچّے! جاتا ہے یا نہیں! جان لیتا ہےــــ

(کال بوائے بھاگ جاتا ہے۔ دوڑنے میں اس کی بتّی کا دیا بجھ جاتا ہے)

رُکھی : ہائے، میں نے اس کال بائے سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ آج نہیں آئیں گے۔ انھیں آج مت لے جا .... ڈیوٹی پر جانے سے ہی تو یہ سب ہوا نا ؟ او بھیّا جی! ہائے بھیّا جی!

رام چرن : چپ ہو جاؤ بھائی! رام جی کا نام لو۔

رُکھی : اب رام کا نام لینا ہی باقی ہے بھائی! اس موئے جونس کا ستیاناس جائے، اس نے بادھر جی کو اس حال پہنچایا۔

ڈپٹی : تم چپ ہو جاؤ بہن۔ ابھی دوا سے اچھے ہو جائیں گے۔

رُکھی : ارے ماسٹر ساہیب! اب تمھارا ہی تھوڑا بہت سہارا ہے۔ اس آگ گاڑی نے تو آج میرا گھر ہی پھونک ڈالا۔ ہے بھگوان! میرا نارن بھی ابھی تک نہیں لوٹا ——

(کمپاؤنڈر، بادھر کا معائنہ کر رہا ہے۔ اس دوران غلام محمد اور ڈپٹی اسٹیشن ماسٹر ایک طرف جاکر باتیں کرتے ہیں)

ڈپٹی : غلام محمد! مجھے اندیشہ ہے! پانی اب سر سے اونچا ہو چلا ہے۔

غلام محمد : ساہیب! کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہے؟ آگ والوں پر اتنا بہت ظلم؟

ڈپٹی : نہیں بھائی نہیں۔ جب تک بارہ کلاک کی اس نوکری میں کمی نہیں ہوگی اور اتنے بہت سارے کاموں کے لیے زیادہ آدمی نہیں رکھے جائیں گے تب تک اپنا چھٹکارا نہیں ہونے والا۔

غلام محمد : یہ صحیح ہے ساب، پَر جب تک اپنے اوپر والے افسر لوگ اپنے ہی گوشت خون کے نہیں ہوں گے تب تک یہ ظلم کم نہیں ہونے والے۔ وہ لوگ تو بس ہمارا خون چوس چوس کر پیسا کماتے ہیں۔ میرے اوپر تم افسر ہو تو ایسا ظلم نہیں کرو نا؟

ڈپٹی : ہاں بھائی، ہاں۔ مگر ہندیوں کو بڑے عہدے پر لیتا ہی کون ہے؟ جن دو چار لوگوں کو لیا بھی جاتا ہے وہ بدماشی میں دو جوتے زیادہ ہی ہوتے ہیں۔

[کمپاؤنڈر آگے آکر ماسٹر کے ساتھ بات کرتا ہے۔ غلام محمد بادھر کی طرف جاتا ہے]

بادھر: (آہستہ سے) رُکھی!

غلام محمد: رکھی بائی یہیں ہے بھائی، تمھارے پاس!
(رُکھی بادھر کا سر گود میں لے کر بیٹھتی ہے)

بادھر: نا..... ر..... ن.....

رام چرن: ابھی آتا ہے بھائی۔ بس آتا ہی ہوگا۔

غلام محمد: (ایک طرف جاکر) ارے یہ لوگ کیا لیے آرہے ہیں۔ (سب اس طرف دیکھتے ہیں)

ڈپٹی: بھیّا جی! اِدھر آؤ! (دھیرے سے) لے یہ روپیا۔ بادھر سے پنیہ کرالے۔ اب وہ گھڑی دو گھڑی کا.....
(کہتے کہتے آنکھ سے آنسو پونچھتا ہے)
(کمپاؤنڈر سے) کیا اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا؟

کمپاؤنڈر: فوراً ٹریٹمنٹ ہوگیا ہوتا تو شاید بچ جاتا مگر اب تو..... کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔
(تھوڑی دیر بعد چار آدمی، دو جھنڈی والے اور دو سڑک صاف کرنے والے مزدور ایک پشتارہ لادے ہوئے آتے ہیں اور وہاں قریب ہی اسے اتارتے ہیں)

ایک جھنڈی والا: لگتا ہے رات کو سانپ نے کاٹ کھایا۔ پٹری کے پاس مرا پڑا تھا۔ وہ تو میں اسے پہچانتا ہوں اس لیے یہاں لے آیا۔

رُکھی: (زور سے) ہائے میرا نارن رے! ارے میں تو پہلے ہی کہتی تھی، نارن کو مت لے جاؤ، بادھر جی کو مت لے جاؤ ـــــ ہائے جبر جستی پکڑ لے گئے دونوں کو۔ ہے بھگوان، ہائے رے..... (بے سدھ ہو جاتی ہے)

غلام محمد: ماسٹر صاحب! ہم لوگوں کو کب تک اپنی مرضی کے خلاف ایسی نوکری کرنی پڑے گی؟ وہ لوگ نارن کو واقعی گھسیٹ کر لے گئے تھے۔ اس کا جواب وہ کون؟

ڈپٹی : جوابدہ اپنا نصیب ہے بھائی! بادھرجی کو بھی تو زبردستی ہی لے گئے تھے؟ اس کی موت کو خون تھوڑے ہی کہا جائے گا؟ پربھو!

کمپاؤنڈر : صاحب میں جاتا ہوں! اب دیکھنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

(جاتا ہے)

[ماسٹر، غلام محمد اور بھیّا گم صم کھڑے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہر طرف گہری خاموشی چھا جاتی ہے۔ یکایک ماسٹر کچھ دیکھتا ہے اور غصّے سے کہتا ہے]

ڈپٹی : اب یہ کیا لا رہے ہو؟ جو کچھ بھی ہو واپس لے جاؤ۔ یہاں کے سوائے اور دوسرا راستہ ہی نہیں سوجھتا تمھیں؟

رام چرن : یہ تو میرے بادھرجی کی گیّا ہے۔ اسپیسل سے کٹی ہوئی، ہائے رام!

غلام محمد : یا خدا! اتنی سی گائے تھی وہ بھی کاٹ ڈالی؟

[ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھ جاتا ہے]

[پردہ گرتا ہے]